اللہ جل جلالہ

خطباتِ فقیر

جلد ششم

- معیتِ الٰہی
- فضائلِ سیدنا صدیق اکبر
- علمائے دیوبند کا تاریخی پس منظر
- اصلاحی باتیں
- برکت یا کثرت
- حفاظتِ قرآن
- تائیدِ غیبی
- خوفِ خدا

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ، فیصل آباد

+92-041-2618003

خطباتِ فقیر
جلد 6

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ———— خطباتِ فقیر جلد ششم

ازافادات ———— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ———— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ———— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ———— جولائی 2001ء

اشاعت گیارہ ———— دسمبر 2009ء

کمپیوٹر کمپوزنگ ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

تعداد ———— 1100

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

پیش لفظ

سب تعریفیں اللہ جل شانہ عم نوالہ کے واسطے ہیں جو اپنے بندوں سے کام لے لیتے ہیں۔ الحمد للہ کہ عاجز کو خطبات فقیر کی چھٹی جلد مرتب کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ یہ سب مرشدی و مربی محبوب العلما و الصلحا حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی ما دامت النہار و اللیالی کی دعاؤں اور توجہات کی وجہ سے ممکن ہوا۔ ورنہ کاروبار حیات کے دوران کام میں اتنی رکاوٹیں آتی ہیں کہ تعجیل کی تمام تر کوششیں تاخیر پر منتج ہوتی ہیں۔ بہر جلد ششم آپ کے ہاتھوں میں ہے اور امید غالب ہے کہ بتوفیق الٰہی سالانہ اجتماع 2001ء تک ایک اور جلد منظر عام پر آسکے گی۔ انشاء اللہ

یہ جلد کل آٹھ خطبات حکمت و معرفت کا مجموعہ ہے۔ ہر بیان بے شمار فوائد و ثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ کسی بھی تحریر کے مطالعہ کے دوران دل کی تاروں کا مرتعش ہو جانا صاحب کلام کے فیض کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے کتاب کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا

باعث ہوگا۔

عاجز نے خطبات بابرکات کی پرکشش تزئین وترتیب کے لئے اپنی طرف سے حتی الوسع کوشش کی ہے تاہم قارئین کرام اگر کوئی کمی بیشی پائیں تو نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

عاجز اس کتاب میں معاونت کرنے والے خوش نصیب حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہے بالخصوص ادارہ مکتبۃ الفقیر کا جس نے اس کی طباعت واشاعت کا کام بحسن وخوبی سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں تاحیات اشاعت کے اس کام کو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمت سید المرسلین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ

ایم، اے۔ بی ایڈ

موضع باغ، جھنگ

معیت الٰہی

...... جب کچھ لوگ اس طرح چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے تو باقی لوگوں نے چوری کرنے سے توبہ کر لی کیونکہ سب کو یہ احساس رہتا کہ ہمیں کیمرے کی آنکھ سے دیکھا جا رہا ہے۔ اگر کیمرے کی آنکھ دیکھ رہی ہوتی ہے اور بندے کو اتنا ڈر لگا ہوتا ہے تو جس بندے کو یہ استحضار نصیب ہو کہ میرا پروردگار دیکھ رہا ہے تو وہ گناہوں کی جرأت کیسے کرے گا۔

معیت الٰہی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى . اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

معیت الٰہی کا علم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وہ (اللہ تعالیٰ) تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا علم ہر مسلمان کو ہے۔ ہم اسے اپنی رگ جان سے بھی زیادہ قریب سمجھتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد کہ ہم ان کی رگ جان سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور دوسری جگہ فرمایا کہ جہاں تین افراد ہوتے ہیں وہاں چوتھا وہ ہوتا ہے اور جہاں پانچ ہوتے ہیں وہاں چھٹا وہ ہوتا ہے۔

علم اور استحضار میں فرق:

ایک ہے کسی چیز کا علم ہونا اور دوسرا ہے کسی چیز کا استحضار ہونا۔ ''علم ہونا'' کا مطلب ہے جاننا اور استحضار اس کو کہتے ہیں کہ وہ چیز یاد رہے اور مستحضر رہے۔ علم کی حد تک تو ہم میں سے ہر ایک کو پتہ ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے ساتھ

ہیں مگر یہ چیز ذہنوں میں حاضر نہیں رہتی اور دلوں میں ہر وقت اس کی یہ کیفیت موجود نہیں رہتی۔

اورادووظائف کی خصوصیت:

مشائخ طریقت بیعت کے بعد جو اورادو وظائف بتاتے ہیں ان اورادو وظائف کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت کی معیت کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے جو کہ اصل مقصود ہے۔ اگر انسان کو اورادو وظائف کرنے کے باوجود بھی معیت الٰہی کا استحضار نصیب نہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ سلسلہ کے آداب وشرائط کی پابندی نہیں کر رہا۔

سلسلہء نقشبندیہ میں معیت الٰہی کا حصول:

ہمارے سلسلہء عالیہ نقشبندیہ کے پینتیس (35) اسباق ہیں۔ ان میں سے پندرہ (15) اسباق کے بعد سولہواں سبق ''مراقبہ معیت'' کہلاتا ہے۔ جو آدمی آداب وشرائط کے ساتھ پندرہ اسباق کرے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اسے سولہویں سبق پر معیت الٰہی کی کیفیت کا استحضار نصیب نہ ہو۔ مثلاً جب کوئی بچہ سکول میں داخلہ لیتا ہے تو پہلے پرائمری پاس کرتا ہے، پھر میٹرک کا امتحان دیتا ہے، پھر ایف اے، بی اے کر کے کالج سے نکلتا ہے اور پھر ایم اے یا ایم ایس سی کر کے ماسٹرز کی ڈگری حاصل کر لیتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اسی طرح ہے کہ سولہویں سبق پر سالک کو معیت الٰہی کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

نگاہ نبوت کا فیضان:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال جدا تھا۔ ان کو ''معیت الٰہی'' کی یہ کیفیت نبی علیہ

الصلوۃ السلام کی پہلی ملاقات میں ہی حاصل ہو جاتی تھی۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

وہ مردہ حالت میں در نبوی ﷺ پر جایا کرتے تھے اور محبوب ﷺ کی ایک ہی نظر کیمیا اثر ان کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتی تھے اور انہیں ''معیت الٰہی'' کی کیفیت حاصل ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ نگاہ نبوت کا فیضان کوئی اور چیز ہے۔ آج اس سے چودہ سو سال بعد کا دور ہے۔ آج اگر کوئی آدمی چاہے کہ مجھے یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو اسے محنت کرنا پڑے گی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی محنت کرے؟ اسے چاہئے کہ ذکر اور مراقبہ کرے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اندر مراقبہ بتاتے ہیں۔

مراقبہ کیا ہے؟

مراقبہ کیا ہے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں اَلْمُرَاقِبَۃُ اَنْ تَلازِمْ قَلْبَکَ لِعِلْمٍ اَنَّ اللّٰہَ نَاظِرٌ اِلَیْکَ مراقبہ یہ ہوتا ہے کہ تو اپنے دل پر اس بات کو لازم کر لے کہ اللہ تعالیٰ تیری طرف دیکھ رہا ہے۔ یہ کیفیت انسان کو مشق کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

معیت الٰہی کی استعداد پیدا کرنے کا طریقہ:

جو حضرات بخاری شریف کا دورہ کرتے ہیں انہیں جو علم پہلے سات سال میں پڑھایا جاتا ہے وہ ان کو بخاری شریف اور دوسری کتب حدیث پڑھنے اور ان کو سمجھنے کی استعداد پیدا کرنے کے لئے پڑھایا جاتا ہے۔ سات سال پڑھنے کے بعد طالب علم اتنی استعداد حاصل کر لیتا ہے کہ وہ احادیث کی تمام کتابیں پڑھ سکتا

ہے اور ان احادیث کی گہرائی تک اتر سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مشائخ بھی ''معیت الٰہی'' والا سولھواں سبق کرنے کے لئے پندرہ اسباق کی محنت کرواتے ہیں

اوراد و وظائف کا مقصد:

ہمارے مشائخ فقط ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ نہیں بتاتے کہ آپ صبح و شام یہ اوراد و وظائف اور مراقبہ کیا کریں۔ ثواب کے لئے بتانا ہوتا تو اور بڑے کام تھے۔ وہ تو یہ باتیں باطن کی صفائی کے لئے بتاتے ہیں، تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس کے لئے بتاتے ہیں۔ ذکر کرنے سے باطن کی گندگی دور ہوتی ہے اور اللہ رب العزت کی معیت کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ایسی جم جاتی ہے کہ

بھلانا بھی چاہو تو بھلا نہ سکو گے

ایک مثال سے وضاحت:

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کسی ماں کا بیٹا فوت ہو جائے اور اسے دوسرے دن یہ کہا جائے کہ تم آج اپنے بچے کو یاد نہ کرنا تو یہ بات اس کے بس میں نہیں ہوگی۔ وہ بھلانا بھی چاہے گی تو بھی اسے ہر وقت بچہ یاد آئے گا۔ اسے محسوس ہوگا جیسے وہ بچہ اس کے سامنے ہے۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے بھی اسے یاد کرے گی، بات کرتے ہوئے بھی اسے یاد کرے گی، اٹھتے بیٹھتے بھی اسے یاد کرے گی حتیٰ کہ رات کو بستر پر سوتے ہوئے بھی اسے یاد کرے گی۔ جیسے وہ ماں کہتی ہے کہ بچے کو بھولنا میرے بس میں نہیں اسی طرح جو انسان یہ اسباق کر لیتا ہے اور اسے ''معیت الٰہی'' کی کیفیت مل جاتی ہے اللہ رب العزت کو بھولنا اس کے بس میں ہی نہیں ہوتا۔ اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ولایت کے

سب مقامات طے کر چکا ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ وہ بندہ اللہ رب العزت کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔

اولیائے کرام اور حفاظت خداوندی:

انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اور اولیائے کرام محفوظ ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ رب العزت اپنے اولیا کو گناہوں کی ذلت میں سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے باپ اگر اپنے بیٹے کو غلط قسم کے لوگوں میں کھڑا دیکھے تو اس کا ذرا بھی جی نہیں چاہتا کہ وہ ان لوگوں میں رہے بلکہ اس کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اسے فوراً اس ماحول سے نکالے۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت بھی ایسے بندے کو نفس اور شیطان کے غلبے سے نکال کر اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں کیونکہ اس نے ذکر و عبادت کے ذریعے اپنے پروردگار کو راضی کرلیا ہوتا ہے۔

تصوف وسلوک کا مقصد:

تصوف وسلوک کا مقصد نہ رنگوں کو دیکھنا، نہ مقدموں کا فتح ہونا، نہ دشمنوں پہ غالب آنا، نہ دعاؤں کا قبول ہونا، نہ رزق میں برکت ہونا اور نہ عبادات میں سرور حاصل ہونا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ استقامت کے ساتھ شریعت پر عمل نصیب ہو جائے۔ سالک جب یہ مقصد حاصل کر لیتا ہے تو وہ شریعت کے مطابق عمل کر کے سکون پالیتا ہے۔ جیسے بچہ ماں کی گود میں آ کر پر سکون ہو جاتا ہے اسی طرح وہ بندہ مصلےٰ پر آ کر پر سکون ہو جاتا ہے کیونکہ اسے اللہ کے ذکر میں لطف اور مزہ آ رہا ہوتا ہے۔

مقام فنائیت:

مراقبہء معیت کرنے سے انسان اللہ رب العزت کو ہر وقت یاد کرتا ہے۔

ہمارے مشائخ نے یہ بات ان الفاظ میں سمیٹ دی اَلْفَانِیُ لَا یُرَدُّ کہ فانی واپس نہیں لوٹتا۔ فانی کا کیا مطلب؟ فانی اس انسان کو کہتے ہیں جو ماسوئی کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ اللہ رب العزت کی یاد میں ڈوب جائے، اللہ کے رنگ میں رنگ جائے اور اللہ کی یاد اس کی طبیعت کا حصہ بن جائے۔ ایسا شخص ذکر میں فنائیت حاصل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اسے فانی کہا جاتا ہے۔

''فانی آدمی واپس نہیں لوٹتا'' کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد دوبارہ نابالغ نہیں ہوسکتا اور پھل پکنے کے بعد دوبارہ کچا نہیں ہوسکتا اسی طرح فانی آدمی ذکر کر کے اپنے روحانیت کو اس درجے پر پہنچا دیتا ہے کہ پھر اللہ رب العزت اس کو واپس نہیں لوٹنے دیتے اور اسے اپنے پیارے بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔ یہ چیز ہمیں حاصل ہونی چاہیے

فنائیت حاصل کرنے کا طریقہ:

فنائیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تخلیہ (تنہائی) میں بیٹھ کر اللہ رب العزت کو یاد کیا جائے۔ انسان ساری دنیا سے ہٹ کٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں ڈوب جائے۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اکثر لوگوں کی عادت خلوت میں بیٹھنے کی نہیں ہے۔ ان کو باتوں کا چسکا ہوتا ہے اور چپ رہنے سے طبیعت گھبراتی ہے۔ محفل میں بیٹھنے کا ٹھرک ہوتا ہے اور اکیلے بیٹھنے سے طبیعت میں وحشت ہوتی ہے۔ جب کہ ہمارے مشائخ یہ کہتے ہیں کہ سد حواس ظاہر سے فتح حواس باطن ہوا کرتا ہے۔ یعنی جب انسان ظاہر کے حواس کو بند کر لیتا ہے تب اس کے باطن کے حواس کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

چشم بند ، گوش بند و لب بہ بند

گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

(تو اپنی آنکھ کو غیر سے بند کر لے، کان کو بند کر لے، اور اپنے لبوں کو بند کر لے پھر بھی اگر تمہیں محبوب کی یاد مزہ نہ دے تو پھر میرے اوپر ہنسی کرتے پھرنا)۔ ہمارے لئے یہ کام سب سے مشکل ہے۔

مراقبہ اصل چیز ہے:

اگر پوچھیں کہ کیا آپ مراقبہ کرتے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ جی وقت نہیں ملتا۔ جی میں درود شریف اور استغفار کی تسبیحات تو کر لیتا ہوں مگر مراقبہ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جی میں پانی، نمک، مرچ اور گھی ملا لیتا ہوں مگر میرے پاس سبزی اور گوشت نہیں ہوتا۔ تو جس آدمی کے پاس سبزی اور گوشت نہ ہو کیا وہ یہ باقی چیزیں ملا کر سالن تیار کر لے گا۔ ہرگز نہیں۔ اور اگر اس کے پاس نمک، مرچ، اور گھی نہ ہو تو کیا فقط سبزی یا گوشت ابال لینے سے وہ سالن بنا لے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح ''مراقبہ کرنا'' جو اصل چیز ہے وہ تو کرتے نہیں اور پھر کہتے ہیں کہ جی اثر نہیں ہوتا۔

ہزار سال سے آزمودہ محنت:

یاد رکھیے کہ ہمارے مشائخ کی یہ محنت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ بڑی مقبول ہستیوں کی بتائی ہوئی محنت ہے۔ انہوں نے اللہ رب العزت کی پسندیدہ زندگی گزاری اور اس کے سامنے سالہا سال تہجد کے وقت رو رو کے مانگا کہ اے مالک! ہمیں وہ طریقہ بتا دے جس سے ہمارے دلوں میں تیری یاد بیٹھ جائے۔ ان کی تقویٰ و طہارت کی زندگیوں پر خوش ہو کر پروردگار نے ان کے سامنے یہ ذکر کے طریقے کھول دیئے۔ ہزار سال سے پہلے کے مشائخ نے یہ محنت کی اور پھر انہوں نے تصدیق کی کہ جو آدمی اس طرح سے محنت کرے گا اسے یہ نعمت مل جائے گی۔

جس طرح آج اگر کسی آدمی کو کوئی گولی کھانے سے صحت مل جاتی ہے تو وہ ہر ایک کو بتاتا پھرتا ہے اسی طرح ہمارے مشائخ کو جس محنت کے کرنے سے روحانی بیماریوں سے شفا ملی انہوں نے بھی اس محنت کا طریقہ بتا دیا۔ اگر کوئی آدمی آج بھی اس محنت کو کرے گا تو اللہ رب العزت اس کی باطنی بیماریوں کو دور کریں گے۔

سب سے بڑی مصیبت:

آج کے دور کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ گناہوں سے سو فیصد توبہ نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔ پانچوں انگلیاں برابر بھی نہیں ہوتیں۔ قدسی روحیں بھی موجود ہیں۔ لیکن فرض کریں کہ اگر تمام گناہوں کی تعداد سو ہے تو آج کوئی پچاس فیصد گناہوں سے بچ رہا ہے، کوئی ساٹھ فیصد بچ رہا ہے، کوئی ستر فیصد بچ رہا ہے، کوئی اسی فیصد بچ رہا ہے، دیندار کہلانے والے نوے فیصد بچ رہے ہیں اور اس سے اوپر جو ذکر اذکار کی محنت کرنے والے ہیں وہ بھی نوے اور پچانوے فیصد بچ رہے ہیں۔ آخری پانچ فیصد گناہوں میں نفس کہیں نہ کہیں دھوکا دے جاتا ہے۔ کسی کی آنکھ قابو میں نہیں، کسی کی زبان قابو میں نہیں، کسی نے دل کو کسی ارمان میں پھنسا رکھا ہے اور کسی نے اپنے آپ کو کسی کاروبار میں الجھا رکھا ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بندہ اللہ رب العزت سے دور رہتا ہے۔

گناہ کی نجاست کا وبال:

اللہ رب العزت پاک ہیں اور پاک چیز کو ہی پسند کرتے ہیں۔ جب کہ گناہ نجاست ہے۔ اسی لئے تو مشرک بندے کو ان الفاظ میں نجس کہا گیا۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ ایک مشرک ستر مرتبہ بھی اگر غسل کر کے آ جائے تو وہ

پاک نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ایک ظاہری نجاست ہوتی ہے اور ایک حکمی نجاست ہوتی ہے۔ اور مشرک بندہ شرک کی وجہ سے نجاست حکمی میں ملوث ہوتا ہے۔ جب تک وہ شرک والے گناہ کونہیں چھوڑے گا تب تک وہ اس نجاست سے پاک نہیں ہوسکتا۔ چونکہ گناہ نجاست کی مانند ہے اس لئے اگر ہمارا ایک عضو بھی گناہ کی نجاست سے لتھڑا ہوا ہوتو ہم اللہ تعالیٰ سے واصل نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اس پاک پروردگار کے ساتھ وصل حاصل کرنے کے لئے گناہوں کی ذلت اور گندگی سے نکلنا ضروری ہے۔

منزل کے سامنے تھکنے والا مسافر:

یوں سمجھئے کہ کلمہ پڑھ کر سو گناہوں کو چھوڑنا تھا۔ کسی نے نوے قدم اٹھا لئے، کسی نے پچانوے قدم اٹھا لئے، کوئی اللہ تعالیٰ سے دس قدم دور کھڑا ہے، کوئی پانچ قدم دور کھڑا ہے۔ لیکن جس نے سو فیصد گناہوں کو چھوڑا ہے وہ بندہ اللہ سے واصل ہوگیا ہے۔ اب ہماری زندگی پر کتنا افسوس ہے کہ ہم پچانوے قدم تو اٹھا چکے ہیں اور آخری پانچ قدم نہ اٹھانے کی وجہ سے ہم واصل نہیں ہورہے ہے۔

؎ حسرت ہے اس مسافر مضطر کے حال پر
جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

منزل بھی سامنے ہے اور ہر کام شریعت وسنت کے مطابق کرتے ہیں مگر کوئی ایک آدھ گناہ ایسا ہے جس نے الجھایا ہوا ہے۔

گناہوں سے کیسے بچا جائے؟

معزز جماعت! ان باقی ماندہ گناہوں سے بھی توبہ کر کے اپنے پروردگار سے واصل ہوجایئے اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم پورے

کے پورے سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ تم سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک گناہوں کی ذلت سے نکل جاؤ اور طاعات کی عزت پا جاؤ۔ اور گناہوں سے بچنا تب ہی آسان ہے جب دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے گا۔

امریکہ میں چوری کا سدباب:

ہم نے یورپ و امریکہ میں دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے سٹور ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں پر چیزیں خریدنے تو جاتے ہیں مگر کوئی بندہ بھی وہاں پر پڑی کسی چیز کو اٹھا کر جیب میں نہیں ڈالتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کچھ کیمرے لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی بھی چیز چرائی تو کیمرے کی سکرین پر محفوظ ہو جائے گی۔ سکیورٹی گارڈ بیٹھے دیکھ رہے ہیں وہ آ کر اسے پکڑیں گے اور اس سے کہیں گے کہ آپ نے چوری کی ہے۔ اگر کوئی چور وہاں پر کہے کہ میں نے چوری نہیں کی تو وہ سکیورٹی گارڈ وہ چیز جہاں اس نے ڈالی ہوتی ہے وہ نکال کر بھی دکھائیں گے اور سکرین کے اوپر اس کو چوری کرتا ہوا بھی دکھا دیں گے۔ جب کچھ لوگ اس طرح چوری کرتے پکڑے گئے تو باقی لوگوں پر ایسا خوف بیٹھ گیا کہ کافر اور دغا باز ہونے کے باوجود وہاں جا کر چوری کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ کیونکہ ہر ایک کو احساس ہوتا ہے کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ اگر کیمرے کی آنکھ دیکھ رہی ہوتی ہے اور بندے کو اتنا ڈر لگا ہوتا ہے تو جس بندے کو یہ استحضار نصیب ہو کہ میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ گناہوں کی جرأت کیسے کرے گا۔

انسانی سوچ پر ماحول کا اثر:

آدمی جس ماحول میں رہتا ہے اس پر ویسی ہی سوچ غالب آ جاتی ہے مثلاً

اگر ایک آدمی کسی ڈسپنسری میں بیٹھا ہوا ور وہ ڈسپنسر سے کہے کہ میرے سر میں درد ہے تو وہ اسے فوراً کہے گا کہ تم پیناڈول کی گولی کھالو۔ اور اگر کوئی آدمی مسجد میں علما کے پاس بیٹھا ہو اور کہے کہ جی مجھے سر درد ہے تو ساتھ والا کہے گا کہ حضرت صاحب سے دم کروالو۔ ڈسپنسری کے ماحول میں گولی کھانے کی طرف دھیان چلا گیا اور مسجد کے ماحول میں دم کی طرف دھیان چلا گیا۔ گویا جیسا ماحول تھا بندے کی سوچ بھی ویسی ہی بن گئی۔

مسبب الاسباب کی یاد:

چونکہ ہم عالم اسباب میں رہتے ہیں اس لئے اسباب ہم پر غالب آجاتے ہیں۔ ہماری سوچ ماتحت الاسباب ہوتی ہے۔ مگر یہ بات ضروری ہے کہ ہم کچھ دیر مسبب الاسباب کی یاد میں گزاریں تاکہ ہماری توجہ اسباب سے بالاتر ہو جائے۔ تب ہمارا دھیان اللہ رب العزت کی طرف جائے گا۔ ورنہ اسباب میں پھنسے رہیں گے۔

حضرت ذکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام پر ماحول کے اثرات:

حضرت زکریا علیہ السلام دعوت وتبلیغ کے کام کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں لوگوں سے ملتے رہے، تبلیغ کرتے رہے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ لوگوں کے ساتھ ملنے کی وجہ سے عالم اسباب میں زندگی گزرتی رہی۔ چونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جیسا ماحول ملے ویسی سوچ غالب آجاتی ہے اس لئے جب واپس آنے لگے تو ذہن میں خیال آیا کہ مریم کے پاس کھانے پینے کی چیزیں کچھ کم تھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ختم ہی ہوگئی ہوں۔ اسے لاکر دینے والا تو اور کوئی نہیں ہے اور مجھے بھی دیر ہوگئی ہے۔ یہ سوچ کر ذرا تیزی سے چلے کُلَّمَا

دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا جب محراب میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مریم بیٹھی ہوئی بے موسم کے پھل کھا رہی تھی۔

وہ حیران ہوکر پوچھنے لگے اَنّٰى لَكِ هٰذَا مریم! یہ پھل تجھے کس نے لاکر دیئے۔ چونکہ مریم ذکر و عبادت اور تخلیہ میں وقت گزار رہی تھی اور انابت الی اللہ کی کیفیت پکی ہو چکی تھی اس لئے وہ کہنے لگی هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اسے بغیر حساب رزق عطا فرما دیتے ہیں۔

جب مریم علیہا السلام نے یہ بات کی تو حضرت زکریا علیہ السلام کی توجہ اس طرف گئی کہ واقعی اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس وقت دعا مانگی کہ اے اللہ! اگر آپ مریم کو بے موسم کے پھل عطا کر سکتے ہیں تو مجھے بھی تو طیب (پاکیزہ) بیٹا عطا فرما دے۔ اللہ رب العزت نے موقع محل کے مناسب مانگی ہوئی دعا فوراً قبول فرمالی۔

حضرت زکریا علیہ السلام اونچی شان والے ہیں مگر چونکہ وہ لوگوں سے مل ملا کر آ رہے تھے اس لئے ان کی سوچ اسباب کے تحت تھی اور مریم چونکہ تخلیہ میں بیٹھی تھی اس لئے اس کی توجہ اسباب سے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف تھی۔

مگر یہی مریم جو بے موسم کے پھل کھاتی تھی جب اس نے خود گھر کی زندگی گزارنی شروع کر دی تو اس کی سوچ بھی ماتحت الاسباب ہوگئی۔

ایک مرتبہ مریم علیہا السلام غسل کرنے کے لئے گھر کی مشرقی جانب گئیں تو پردہ کر لیا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جبرئیل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا جبرئیل علیہ السلام بھرپور نوجوان کی شکل میں سامنے آئے۔

جب وہ بھرپور مرد کی شکل میں سامنے آئے تو مریم آج کے دور کی کوئی بگڑی ہوئی بیگم تو نہیں تھی کہ وہ تنہائی میں غیر محرم کو دیکھ کر مسکراہٹوں سے استقبال کرتی۔ وہ تو عفیفہ تھیں۔ انہوں نے جب انہیں تنہائی میں دیکھا تو فوراً ڈر گئیں اور گھبرا کر کہنے لگیں۔ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا کہ میں رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں۔ جب ڈر کر کہا کہ میں رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں تو جبرئیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ مریم خوفزدہ ہوگئی ہے لہٰذا اب اسے بات بتا دینی چاہئے۔ چنانچہ فرمانے لگے کہ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا تاکہ تجھے نیک بیٹا دیا جائے۔

چونکہ اب مریم اسباب کے تحت زندگی گزار رہی تھیں لہٰذا سوچنے لگیں کہ بیٹا ہونے کے تو دو سبب ہوتے ہیں۔ یا تو انسان نکاح کرے یا پھر گناہ کرے۔ نہ میں نے نکاح کیا اور نہ میں نے گناہ کیا۔ جب دونوں سبب موجود نہیں ہیں تو پھر میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا قَالَ کَذٰلِکِ مریم! جیسے تم کہہ رہی ہو ایسا ہی ہے۔ نہ آپ نے نکاح کیا نہ آپ سے گناہ ہوا۔ کَذٰلِکِ کے لفظ نے بی بی مریم کی پاکدامنی پر مہر لگا دی۔ قرآن مجید قیامت تک ان کی پاکدامنی کی گواہی دیتا رہے گا۔ اللہ ایسی بیٹیاں ہر ایک کو نصیب فرمائے آمین۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا قَالَ رَبُّکِ هُوَ علی هین کہ آپ کے رب نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے۔ آپ کو یہ بیٹا کسی زلفوں والی سرکار نے نہیں دینا بلکہ آپ کو یہ بیٹا پاک پروردگار نے دینا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو بیٹا دے دیا۔

ایمان کو مضبوط سے اضبط کرنے کا طریقہ:

ہمارے مشائخ یہی فرماتے ہیں کہ ہم روزانہ کچھ وقت تخلیہ میں گزاریں

مصلے پر بیٹھیں یا مسجد کے کونے میں بیٹھیں یا تنہائی میں بیٹھیں۔ اس وقت ساری دنیا سے ہٹ کٹ جائیں۔ یہ سوچیں اور فکریں جنہوں نے ہمیں بوڑھا کر دیا ہے اس وقت ان کو اپنے ذہنوں سے نکال پھینکا کریں اور اپنے دماغ کو خالی کر کے اپنے مولا کی یاد میں لگا دیا کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہوگا تو ایمان مضبوط سے اضبط ہوتا چلا جائے گا۔ یہ کونسی ایسی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

انگلی پکڑ کر منزل پر پہنچانے والے:

بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ جی بیعت کیوں کی جاتی ہے؟ پیر کی کیا ضرورت ہے؟ بھئی! اس لئے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ مشائخ اللہ رب العزت کی معیت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ جس راستے سے ہم نے گزرنا ہوتا ہے وہ اس راستے سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ انگلی پکڑ کر منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔

افضل ایمان:

جس بندے کے اندر معیت الٰہی کا استحضار پیدا ہو جاتا ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتا ہے۔ اس کو حدیث پاک میں افضل الایمان کہا گیا ہے۔ حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اَفْضَلُ الایمان اَنْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حِیْنَ مَا کُنْتَ ۔ افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ رب العزت تیرے ساتھ ہیں تو جہاں کہیں بھی ہے۔ اس افضل ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا احفظ اللہ یحفظک ، احفظ اللہ تجدک تجاھک تو اللہ کی حفاظت کر، تو اللہکو اپنے سامنے پائے گا، گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان

رہے گا۔

فکر کی گندگی کا علاج:

اس چیز میں آج عوام الناس کا تو کیا کہنا علما اور طلبا بھی وہ محنت نہیں کر رہے جو کرنی چاہئے تھی۔ اسی لئے نفسانیت سے جان نہیں چھوٹتی۔ طلبا اکثر شکوہ کرتے ہیں کہ حضرت! نظر قابو میں نہیں رہتی ، حضرت! وسوسوں پہ قابو نہیں رہتا، حضرت! جو پڑھتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں۔ سب کا لب لباب فکر کی گندگی ہے۔ اور فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوا کرتی ہے۔ آپ ذرا توجہ سے ذکر کیجئے پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ فکر کو کیسے پاک فرما دیتے ہیں۔ سوچ بھی پاک ہو جاتی ہے اور انسان کے اندر سے ہوس بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی نگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی طبیعت میں سکون پیدا کر دیتے ہیں۔ آج ہمیں ہماری ہوس نے پریشان کر رکھا ہے۔ جس کی شادی نہیں ہوئی وہ بھی پریشان ہے اور جس کی ہو چکی ہے وہ اس سے بھی زیادہ پریشان ہے۔ اس بیماری سے جان چھڑانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کا باقاعدہ علاج کروایا جائے۔ اور یاد رکھئے کہ اس کا علاج ذکر سے ہوگا۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءُ الْقُلُوْب اللہ کا ذکر دلوں کی شفا ہے۔

دل کے روگ کی علامت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا، اے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بیویو! اگر کسی سے گفتگو کرنے کا موقع آئے تو تم پردے کے پیچھے سے گفتگو کرو اور ذرا سختی سے بات کرو، ایسا نہ ہو کہ اگر تم نرمی سے بولو فیطمع الذی فی قلبه

مرض تو طمع کرے وہ بندہ جس کے دل میں مرض ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیرمحرم سے بات کر کے اور غیرمحرم کی طرف دیکھ کر جو بندہ دل میں طمع کرتا ہے اس کے بارے میں قرآن کی گواہی ہے کہ اس کے دل میں مرض ہوتا ہے۔اگر آج طمع کی نظر ادھر ادھر اٹھتی ہے یا بات کر کے طبیعت کے اندر طمع پیدا ہوتا ہے تو یہ اس بات کی پکی دلیل ہے کہ ہمارے دلوں کے اندر مرض موجود ہے۔اسی لئے مشائخ ذکر کرواتے ہیں جس سے یہ طمع ختم ہو جاتا ہے اور طبیعت کے اندر سکون آ جاتا ہے۔

اللہ کی رضا کی طلب:

جس آدمی کو معیت الٰہی کی کیفیت کا استحضار نصیب ہو جائے اس کے لئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہر کام کرتے وقت وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالٰی مجھے دیکھ رہے ہیں اس لئے وہ ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوتا ہے۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور رضائے الٰہی:

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابرین میں سے تھے۔ایک مرتبہ وہ کسی بچے کو کسی غلطی پر سزا دینے لگے۔اسے دو چار تھپڑ لگائے۔جب بچے کو تھپڑ لگے اور اسے درد ہوا تو رو کر کہنے لگا، حضرت! مجھے اللہ کے لئے معاف کر دیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، او خدا کے بندے! میں تجھے اللہ کے لئے ہی تو مار رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ ان کا غصہ کے وقت بھی کسی کو مارنا اللہ کے لئے ہوا کرتا تھا۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رضائے الٰہی:

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک کافر کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ قریب تھا کہ اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیتے۔ مگر اس کمینے نے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ انور پر تھوک دیا۔ جب تھوک دیا تو بجائے اس کو ذبح کرنے کے آپ رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔ وہ حیران ہوکر پوچھنے لگا، علی! آپ نے مجھے مارا کیوں نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں تجھے اللہ کی رضا کے لئے مارنا چاہتا تھا مگر جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو پھر میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہوگیا اور میں اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔

ایک چرواہے کے دل میں معیت الٰہی کا استحضار:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جنگل میں پڑاؤ ڈالا۔ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چراتا ہوں قریب سے گزرا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا، آؤ بھئی! کچھ کھالو۔ وہ کہنے لگا، اَنَا صَائِم کہ میں روزہ دار ہوں۔ جب اس نے یہ بات کہی تو آپ بڑے حیران ہوئے کہ جنگل کی تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے اور یہ نوجوان روزہ رکھے ہوئے ہے اور پھر سخت گرمی میں بکریاں چرا رہا ہے اور کوئی تعریف کرنے والا بھی نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس کو ذرا آزمانا چاہئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر کے بعد اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا، بھئی! ایک بکری تم ہمیں دے دو، ہم اس کو ذبح کر کے کھائیں گے اور تم بھی افطاری کے وقت ہمارے ساتھ کھا لینا۔ وہ نوجوان کہنے لگا، جی یہ بکریاں میری نہیں ہیں یہ تو میرے مالک کی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اتنی بکریوں میں سے ایک بکری کا تیرے مالک کو کیا پتہ چلے گا؟ جب یہ فرمایا تو کہنے لگا، اگر میرے

مالک کو پتہ نہیں چلے گا تو فَاَیْنَ اللّٰہ تو پھر اللہ کہاں ہے؟ اس کو تو پتہ چل جائے گا۔ آپ ﷛ یہ واقعہ سناتے اور فرماتے کہ اللہ رب العزت نے اس نوجوان کے دل میں کیسا ایمان رکھ دیا تھا کہ وہ جنگل میں بھی کہتا تھا فَاَیْنَ اللّٰہ کہ پھر اللہ کہاں ہے؟

ایک لڑکی کے دل میں معیت الٰہی کا استحضار:

ایک مرتبہ سیدنا عمر ﷛ رات کو گلی میں چکر لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے ایک بوڑھی ماں اپنی بیٹی سے باتیں کر رہی تھی۔ حضرت عمر ﷛ نے غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ بڑھیا اس لڑکی سے پوچھ رہی تھی کہ کیا بکری نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا، جی ہاں دے دیا۔ پھر پوچھا کہ کتنا دودھ دیا ہے؟ لڑکی نے کہا، تھوڑا سا دیا ہے۔ وہ کہنے لگی، کہ مانگنے والے تو پورا مانگیں گے اس لئے تم اس میں پانی ملا دو۔ اس نے کہا، امیر المومنین نے پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے اس لئے میں نہیں ملاتی۔ وہ بڑھیا کہنے لگی، کونسا امیر المومنین ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی نے کہا، اماں! اگر امیر المومنین نہیں دیکھ رہے تو امیر المومنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر ﷛ نے ان کا یہ مکالمہ سنا اور گھر آ گئے۔ آپ ﷛ نے صبح اس بڑھیا کو بھی بلوایا اور اس لڑکی کو بھی۔ اس بڑھیا کو آپ نے تنبیہ فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷛ نے اس لڑکی کی عمر پوچھی تو پتہ چلا کہ وہ بالغہ تھی۔ آپ ﷛ نے اس لڑکی کے تقویٰ کی بنیاد پر اسے اپنی بہو کے طور پر پسند فرما لیا۔ چنانچہ آپ ﷛ نے اس کا رشتہ مانگا اور وہ آپ ﷛ کی بہو بن گئی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو بعد میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نانی بنی۔ یہ ایمان ہوتا ہے جس کی تاثیر اللہ تعالیٰ اولادوں اور نسلوں میں چلا دیتے ہیں۔

ایک بچے کے دل میں معیت الٰہی کا استحضار:

کہتے ہیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جب وہ انگوروں کے ایک باغ کے قریب سے گزرے تو باپ کا دل للچا پڑا اور اس نے چاہا کہ کچھ انگور کھاؤں۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو ایک جگہ کھڑا کیا اور کہا، بیٹا! تم یہاں کھڑے ہو کر ادھر ادھر جھانکنا تا کہ کوئی آنے لگے تو پتہ چل جائے۔ جب وہ انگور توڑنے کے لئے گیا تو وہ ابھی درخت کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بچے نے شور مچا دیا۔ کہنے لگا یَا اَبِیْ یَا اَبِیْ اَحَدٌ یَرَانِیْ اے ابا جان! اے ابا جان! ایک ہمیں دیکھ رہا ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو باپ ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس نے بچے کے پاس آ کر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کون دیکھ رہا ہے؟ بیٹے نے کہا، ابا جان اگر کوئی بندہ نہیں دیکھ رہا تو بندوں کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔

خبردار! اللہ دیکھ رہا ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ کیا یہ (کافر مشرک گنہگار) نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ان الفاظ کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اب بتائیے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے گناہ کریں گے تو پھر کل قیامت کے دن ہمیں کتنی شرمندگی اور ذلت ہوگی۔ اس لئے آج موقع ہے کہ ہم اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے اندر ''معیت'' کی یہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ہم محنت کے لئے ہی تو پیدا ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ تحقیق

انسان کو محنت کے لئے پیدا کیا گیا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور معیت الٰہی:

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ گئے۔ بیعت ہوئے اور انہوں نے تیسرے دن انہیں خلافت دے دی۔ جب ان کو تیسرے دن خلافت ملی تو وہاں کے جو مقامی لوگ تھے وہ کہنے لگے، حضرت! یہ دور سے آیا ہے اور تین دنوں میں اس کو یہ نعمت مل گئی مگر ہم لوگ بھی تو مدتوں سے آپ کی خدمت میں پڑے ہیں، ہم پر بھی نظر کرم فرما دیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اچھا آپ کو سمجھائیں گے۔

دوسرے دن انہوں نے بہت ساری مرغیاں منگوائیں اور ان تمام لوگوں کو دیں جنہوں نے اعتراض کیا تھا اور ایک بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دی اور سب سے فرمایا کہ اس مرغی کو ایسی جگہ پر ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔ چنانچہ کوئی درخت کی اوٹ میں ذبح کر کے لایا، کوئی کمرے میں ذبح کر کے لایا اور کوئی دیوار کے پیچھے ذبح کر کے لایا۔ سب نے ذبح کر کے لا دیں اور حضرت کو دکھائیں۔ مگر بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور رونا شروع کر دیا۔ حضرت نے پوچھا، بھئی! تم کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے، حضرت،! آپ نے فرمایا تھا کہ کسی ایسی جگہ پر ذبح کرنا جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو مگر میں جہاں بھی گیا، وہاں میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا تھا جس کی وجہ سے میں ذبح نہ کر سکا اور یوں آپ کے حکم پر عمل نہیں ہو سکا۔

اس وقت حضرت نے اپنے دوسرے مریدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، دیکھو! میں نے اس کی اس کیفیت کی وجہ سے اسے یہ نعمت جلدی دے دی ہے۔

منکرین تصوف اور مقام احسان:

محترم جماعت! ہمارے دل میں ہر وقت یہ کیفیت رہنی چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت کے سامنے ہیں۔ اس کو ''مقام احسان'' کہتے ہیں۔ جو لوگ تصوف کے مخالف ہیں وہ ذرا بتائیں کہ وہ مقام احسان کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا، مَا الْاِحْسَانُ؟ اے اللہ کے محبوب ﷺ! احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بھئی! آپ ہی بتا دیجئے۔ وہ کہنے لگے، اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ اور اگر یہ کیفیت نہیں تو تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یعنی اول تو مشاہدے کی کیفیت ہو اور اگر وہ نہیں تو پھر مراقبے کی کیفیت ہو۔

ان لوگوں سے پوچھیں کہ اگر نہ مراقبے کی کیفیت ہو اور نہ مشاہدے کی کیفیت ہو تو پھر نمازیں کیسی پڑھتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ تصوف بدعت ہے اور یہ ایک عجمی چیز ہے۔ بھئی! اگر تصوف کو عجمی چیز مانتے ہو تو احسان کو تو عربی چیز مانو گے ناں۔ بتاؤ، احسان کیسے حاصل کر سکتے ہو؟ کیا آپ میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو کھڑا ہو کر یہ کہے کہ مجھے احسانی کیفیت حاصل ہے۔ آپ ہزاروں میں سے ایک بندہ بھی نہیں دکھا سکے۔ اور الحمد للہ، ہم ذکر اذکار کرنے والے کتنے ہی ایسے بندے پیش کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی ذلت سے محفوظ کیا ہوتا ہے۔

اللہ والوں پر یاد الٰہی کا غلبہ:

بنیادی طور پر یہ چیز دیکھنی ہوتی ہے کہ کس کو ایمان کی وہ اعلیٰ کیفیت حاصل

ہو گئی ہے؟ معیت الٰہی کا استحضار کس کو نصیب ہو گیا ہے؟ جس کو یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے وہ گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بلکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر ایسے بندے کو ہزار سال کی عمر بھی دی جائے اور وہ ہزار سال کوشش کرے کہ میں اللہ کو دل سے بھلا بیٹھوں تو وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کو دل سے بھلا نہیں سکے گا۔

بھلانا بھی چاہو بھلا نہیں سکو گے

اللہ کی یاد دل میں ایسی رچ بس جاتی ہے۔ جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جی رشتے سے تو انکار ہو گیا ہے لیکن کیا کریں کہ اس کو دل بھول ہی نہیں رہا۔ یہ بھی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ رشتے سے انکار ہو گیا ہے اور اس کے ماں باپ رشتہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں مگر ساتھ ہی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ بس دل ایسا پھنسا ہے کہ وہ دل سے بھول ہی نہیں رہی۔ او خدا کے بندے! اگر ایک مخلوق کے حسن و جمال کا تیرے دل پر یہ اثر ہے کہ تو بھلانا بھی چاہتا ہے مگر بھلا نہیں پاتا، تو جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے نقوش بیٹھ جاتے ہیں کیا ان کو یہ کیفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ والے اللہ کے متوالے ہوتے ہیں ان کے دلوں میں ہر وقت یہ کیفیت رہتی ہے کہ

لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے آٹھ پہر ہو اللہ اللہ اللہ

ان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ یاد رہتے ہیں

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

وہ ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے

بارے میں فرماتے ہیں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت بھی میری یاد سے غافل نہیں کر پاتی۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ میرے وہ ہمت والے بندے ہیں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ جو کھڑے بھی مجھے یاد کرتے ہیں، لیٹے بھی مجھے یاد کرتے ہیں، اور بیٹھے بھی مجھے یاد کرتے ہیں۔ جب انسان کو یہ کیفیت مل جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتا۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اور معیت الٰہی:

حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ، خود مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ دوسرے خلفا اکٹھے بیٹھے تھے۔ اس دوران میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مذاق کی کچھ باتیں سنانا شروع کر دیں۔ یعنی خوش طبعی کی ایسی باتیں سنانا شروع کر دیں کہ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔۔۔ سچی باتیں بھی خوش طبعی والی ہو سکتی ہیں۔ بعض اوقات نبی علیہ الصلوۃ والسلام بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خوشی طبعی کی باتیں فرما لیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایک دوسرے سے خوشی طبعی فرما لیتے تھے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ جھوٹے لطیفے سنا کر ہی خوش کرنا ہوتا ہے۔ اللہ والوں کے پاس ایسے لطائف علمیہ ہوتے ہیں کہ بات بھی سچی کرتے ہیں اور دوسرے کھلکھلا کر ہنس بھی رہے ہوتے ہیں۔۔۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں کچھ دیر ایسی باتیں سنائیں کہ ہم ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ اب تو پیٹ میں بل پڑنے لگے ہیں، اب آپ یہ باتیں نہ سنائیں۔

اس بات کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس تمام مجلس کے دوران ایک لمحہ بھی اللہ سے غافل نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا عجیب سا سوال تھا کہ ہم حیران رہ گئے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تمہیں اتنی دیر ہنستا رہا مگر اس دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہیں ہوا۔ جس انسان کو معیت الہی کی کیفیت حاصل ہو چکی ہوتی ہے وہ ایسی باتیں سن کر ہنس بھی رہا ہوتا ہے مگر اس کا باطن اللہ تعالی کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔

ایک بادشاہ کی سبق آموز داستان:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور فقیہہ کے دور کا واقعہ ہے کہ وقت کا بادشاہ اپنی بیوی کے ساتھ تخلیہ میں تھا۔ اس کی بیوی کسی وجہ سے اس سے ناراض تھی۔ بادشاہ چاہتا کہ محبت و پیار میں وقت گزاریں اور بیوی جلی بیٹھی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ اس کی شکل ایک آنکھ بھی نہ دیکھوں۔ ادھر سے اصرار اور ادھر سے انکار۔ جب بہت دیر گزر گئی تو بادشاہ نے محبت میں کچھ اور بات کر دی۔ جب اس نے بات کر دی تو اس نے آگے سے کہا، جہنمی! دفعہ ہو یہاں سے۔ جب اس نے اتنی بڑی بات کہہ دی تو بادشاہ کو بھی غصہ آ گیا۔ چنانچہ کہنے لگا۔ اچھا! اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے بھی تین طلاق۔ اب اس نے بات تو کر دی۔ مگر وہ دونوں پوری رات متفکر رہے کہ آیا طلاق ہوئی بھی ہے یا نہیں۔

خیر صبح اٹھے تو ان کے دماغ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ چنانچہ فتوی لینے کے لئے متفکر ہو گئے۔ چنانچہ کسی مقامی عالم کے پاس پہنچے اور ان کو پوری صورتحال بتائی اور کہا۔ بتائیں کہ طلاق واقع بھی ہوئی یا نہیں کیونکہ مشروط تھی۔ انہوں نے کہا، میں اس کا فتویٰ نہیں دے سکتا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ تم جہنمی ہو یا نہیں۔ کئی اور علما

سے بھی پوچھا گیا۔ مگر ان سب نے کہا کہ ہم اس کا فتویٰ نہیں دے سکتے کیونکہ بات مشروط ہے۔

بادشاہ چاہتا تھا کہ اس قدر خوبصورت اور اچھی بیوی مجھ سے جدا نہ ہو۔ مگر مسئلہ کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اب حلال بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ بڑا مسئلہ بنا۔ بلکہ بادشاہ کا مسئلہ تو اور زیادہ پھیلتا ہے۔ بالآخر ایک فقیہہ کو بلایا گیا اور ان سے عرض کیا گیا کہ آپ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں جواب تو دوں گا مگر اس کے لئے مجھے بادشاہ سے تنہائی میں کچھ پوچھنا پڑے گا۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے، پوچھیں۔ چنانچہ انہوں نے بادشاہ سے علیحدگی میں پوچھا کہ کیا آپ کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع آیا ہے کہ آپ اس وقت گناہ کرنے پر قادر ہوں مگر آپ نے اللہ کے خوف سے وہ کبیرہ گناہ چھوڑ دیا ہو۔

بادشاہ سوچنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا، ہاں ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ پوچھا، وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا، ایک مرتبہ جب میں آرام کے لئے دوپہر کے وقت اپنے کمرے میں گیا تو میں نے دیکھا کہ محل میں کام کرنے والی لڑکیوں میں سے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی میرے کمرے میں کچھ چیزیں سنوار رہی تھی۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو میں نے اس لڑکی کو کمرے میں اکیلے پایا۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر میرا خیال برائی کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ میں نے دروازے کی کنڈی لگا دی اور اس کی طرف آگے بڑھا۔ وہ لڑکی ایک نیک، عفیفہ اور پاکدامنہ لڑکی تھی۔ اس نے جیسے ہی دیکھا کہ بادشاہ نے کنڈی لگا لی ہے اور میری طرف خاص نظر کے ساتھ قدم اٹھا رہا ہے تو وہ فوراً گھبرا گئی۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ کہنے لگی یَا مَلِکُ! اِتَّقُوا اللّٰہ اے بادشاہ! اللہ سے ڈر۔

جب اس نے یہ الفاظ کہے تو اللہ کا نام سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اللہ کا جلال میرے اوپر غالب آ گیا۔ چنانچہ میں نے اس لڑکی سے کہا، اچھا، چلی جا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اسے کمرے سے بھیج دیا۔ اگر میں گناہ کرنا چاہتا تو میں اس وقت اس لڑکی سے گناہ کر سکتا تھا، مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا مگر اللہ کے جلال، عظمت اور خوف کی وجہ سے میں نے اس لڑکی کو بھیج دیا اور گناہ سے باز آ گیا۔

اس فقیہہ نے فرمایا کہ اگر تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا تو میں فتویٰ دے دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور تیری طلاق واقع نہیں ہوئی۔

اب دوسرے علما نے کہا، جناب! آپ کیسے فتویٰ دے سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، جناب! میں نے اپنی طرف سے فتویٰ نہیں دیا بلکہ یہ فتویٰ تو قرآن دے رہا ہے۔ وہ حیران ہو گئے کہ قرآن نے فتویٰ کہاں دیا۔ انہوں نے جواب میں قرآن کی آیت پڑھی۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى کہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات میں پڑنے سے بچا لیا تو ایسے بندے کا ٹھکانہ جنت ہوگی۔ پھر انہوں نے بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا، چونکہ تم نے اللہ کے خوف کی وجہ سے گناہ کو چھوڑا تھا اس لئے میں لکھ کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں معیت کا یہ استحضار نصیب فرما دیں، ہمیں گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرما دیں اور بقیہ زندگی گناہوں سے پاک ہو کر گزارنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فضائل

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی کرنیں سب سے پہلے اس عمارت پر پڑتی ہیں جو سب سے بلند و بالا ہوتی ہے اسی طرح جب نبوت کا سورج طلوع ہوا تو اس کی پہلی کرنیں اس ہستی پر پڑیں جو امت میں سب سے بلند و بالا تھی وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی ذات تھی

فضائل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

صادقین سے مراد:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اور سچوں کے ساتھ رہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ صادقین سے مراد مشائخ صوفیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دے رہے ہیں کہ ہم ایسے صاحب نسبت لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔

صادقین کا دوام:

آج دنیا کہتی ہے کہ جنید اور بایزید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تو اب نہیں ہیں۔ سچے آدمی تو ملتے نہیں، کیا کریں؟ یہ بات غور طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرما دیا کہ اے ایمان والو! تم سچوں کی صحبت اختیار کرو، تو یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے جب تک ایمان والے موجود رہیں گے تب تک صادقین بھی موجود رہیں گے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ صادقین ختم ہو جائیں اور

قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ناقابل عمل ہو جائے۔ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قیامت تک قرآن مجید قابل عمل کتاب ہے تو ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ صادقین کی جماعت بھی ہر دور اور ہر زمانے میں رہے گی۔

صادقین کی تلاش:

البتہ صادقین کی جماعت تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اسے ڈھونڈنا ہماری ذمہ داری ہے۔ دنیا کے معاملات میں ہم کتنی چیزوں کو ڈھونڈتے ہیں جب کہ یہ تو ہمارا اللہ رب العزت سے تعلق کا معاملہ ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اس معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اور اگر زندگی میں کوئی ایسا آدمی مل جائے تو اس کی صحبت کو کیمیائے اکسیر کی مانند سمجھیں کیونکہ ان بزرگوں کی نظر تریاق ہوتی ہے اور ان کی توجہ میں دل کی شفا ہوتی ہے۔

برکت ہی برکت:

نسبت ایک نور ہے۔ وہ نور جب کسی کے سینے میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سراپا برکت بنا دیتے ہیں۔ اس کے دیکھنے میں برکت، بولنے میں برکت، اس کے عمل میں برکت، اس کے فیصلے میں برکت، اور وہ جہاں بیٹھتے ہیں اس جگہ پر برکتیں آ جاتی ہیں۔ بلکہ کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جو سراپا تبرک بن جاتے ہیں۔ وہ جس شہر سے گزر جائیں وہاں ان کی برکتیں اثر انداز ہو جاتی ہیں۔

برکت کے حصول کی ایک شرط:

ان برکتوں کو حاصل کرنے کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ انسان ان صاحب نسبت لوگوں کے ساتھ محبت پیدا کرے۔ جتنی محبت راسخ ہوگی اتنا ہی فیض کا اجرا جلدی

ہوگا۔ جتنا تعلق مضبوط سے مضبوط ہوگا اتنا ہی یہ برقی رو جلدی دوڑے گی۔ اور کبھی بھی تو ایک لمحہ کی توجہ بھی بندے کی زندگی کا مقصد پورا کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہوتا ہے۔

مادے سے پار دیکھنے والی نگاہیں:

اللہ والے اپنی مرضی سے توجہ نہیں ڈالتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں۔ خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں توجہ دوں تو ایک ہی لمحہ میں پورے مجمع کو تڑپا کے رکھ دوں مگر اوپر سے مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ رب العزت ان کو بصیرت دے دیتے ہیں اور ان کی نگاہیں مادے سے پار دیکھتی ہیں۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے بیت اللہ کی زیارت:

خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اکوڑہ خٹک کے مدرسہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں علما کا پندرہ روزہ تربیتی پروگرام تھا۔ ایک عالم نے ان سے سوال کیا کہ حضرت! میں نے یہ نوٹ کیا ہے کہ آپ جب بھی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اقامت ہو جاتی ہے مگر آپ جلدی نیت نہیں باندھتے، تھوڑا سا ٹھہر کر نیت باندھتے ہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ آپ لوگ تو علما ہیں، آپ کی توجہ الی اللہ کی کیفیت ہر وقت بنی رہتی ہے مگر میں تو فقیر آدمی ہوں، نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر کھڑا ہوتا ہوں تو جب تک مجھے سامنے بیت اللہ نظر نہیں آتا میں اس وقت تک نماز کی نیت نہیں باندھا کرتا۔ جن کو نسبت کا نور نصیب ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایسی نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا:

یہ وہ نعمت ہے جس کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت دکھا دیجئے جیسے کہ وہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو چیزوں کی حقیقت دکھا دیتے ہیں اور ان کے سامنے انسان کے دل بھی کھل جاتے ہیں۔ وہ انسانوں کے دلوں کو یوں پڑھ رہے ہوتے ہیں جیسے ہم کھلی ہوئی کتاب کو پڑھتے ہیں۔

لعنت ایسے پیر پر:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کراچی میں تھے۔ ایک صاحب ان کو وہاں ملنے کے لئے آئے۔ کسی دوسرے آدمی نے کہا، حضرت! یہ شخص دل میں دنیا لے کر آپ کے پاس آیا ہے۔ حضرت نے جب اس کی یہ بات سنی تو اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے پیر پر جس کے پاس کوئی مرید آئے اور اسے پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کس مقصد کے لئے آیا ہے۔

ایک ذاتی واقعہ:

یہ عاجز ایک مرتبہ ایک عالم کو لے کر حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چکوال حاضر ہوا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اتنے بڑے عالم میرے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ میں ان کے بارے میں حضرت کو کچھ بتا دوں۔ چنانچہ ہم جیسے ہی حضرت سے ملے، میں نے عرض کیا، حضرت! یہ ایک بڑے عالم ہیں جو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت فرمانے لگے'' چپ کر میں اسے پہلے ہی پڑھ چکا ہوں''۔

حضرت نے یہ الفاظ مسجد میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمائے۔

دلوں کے جاسوس:

اللہ والے جواسیس القلوب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال ان پر کھول دیتے ہیں۔ اس لئے بندہ جب ان کی صحبت میں بیٹھے تو اپنے دل کو سنبھال کر بیٹھے۔ کہتے ہیں کہ جب کسی حاکم کی صحبت میں بیٹھو تو اپنی نگاہوں کو سنبھال کر بیٹھو، کیونکہ حاکم کے علاوہ ادھر ادھر دیکھو گے تو وہ اپنا ڈنڈا چلائے گا اور اپنا اختیار استعمال کرے گا۔ اگر علما کی صحبت میں بیٹھو تو اپنی زبان کو سنبھال کر بیٹھو، اس لئے کہ اگر کوئی لفظ آگے پیچھے ہو گیا تو مفتی حضرات فتویٰ لگا دیں گے اور اگر اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھو تو اپنے دلوں کو سنبھال کر بیٹھو۔

سپردگی اور شفقت:

دل متوجہ ہوں تو توجہ بھی ان پر اثر کرتی ہے۔ اس لئے جب بھی آدمی اپنے شیخ کی محفل میں بیٹھے ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھے۔ ایک طرف سے محبت اور سپردگی ہو، دوسری طرف سے شفقت اور عنایت ہو تو اللہ تعالیٰ بندے کا کام بنا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے شیخ کے ساتھ محبت کی نسبت کو اور زیادہ مضبوط کیجئے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی وجہ تسمیہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نسبت اتحادی نصیب تھی۔ ہمارا یہ سلسلہ نقشبندیہ صدیقی نسبت رکھنے والا ہے۔ اس سلسلہ کا نام ابتدا میں ''صدیقیہ سلسلہ'' تھا۔ لیکن خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس سلسلہ کا نام ''سلسلہ نقشبندیہ'' مشہور ہو گیا۔ کیونکہ ان سے ...

میں آتا ہے۔ جب وہ سالکین کے دلوں پر اللہ اللہ کی ضرب لگاتے تھے تو کان ینقش اسم اللہ علی قلوب السالکین وہ سالکین کے دلوں پر اللہ کا نام نقش کر دیتے تھے۔

صدیقی رضی اللہ عنہ نسبت ایک مضبوط نسبت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے کمالات ولایت سب سے زیادہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے حاصل کئے اور کمالات نبوت سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاصل کئے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے زیادہ مضبوط نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا تعلق تھا کہ اگر ان کے حالات زندگی کو پڑھا جائے تو بالکل ایک جیسے حالات نظر آتے ہیں۔ آج اس محفل میں بات کرنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ آپ کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ہماری نسبت صدیقی نسبت ہے جو کہ ایک مضبوط ترین نسبت ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے تمام کمالات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے میں منتقل ہوئے اور ان کے سینے سے قیامت تک یہ مشائخ کے سینوں میں منتقل ہوتے رہیں گے۔

نسبت اور خلافت:

نسبت کو تمنا بنا کر مانگنا عبادت ہے کیونکہ نسبت حاصل ہو جانے سے انسان کی عبادت کی کیفیت میں حضوری آ جاتی ہے۔ نماز بہتر ہو جاتی ہے، تلاوت قرآن کی کیفیت بہتر ہو جاتی ہے، غفلت ختم ہو جاتی ہے، اور معصیت سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ البتہ خلافت کی تمنا دل میں رکھنا تصوف کی دنیا میں شرک کہلاتا ہے۔ خلافت کا مل جانا کوئی اور چیز ہے۔ وہ تو ایک انتظامی امور کی بات ہے

اور نسبت کے حصول کی تمنا رکھنا اور چیز ہے۔ اس لئے یہ تمنا دل میں ہو کہ اے اللہ! ہمیں نور نسبت عطا فرما تا کہ ہم اپنی عبادت میں یکسوئی اور حضوری پیدا کر سکیں اور ہماری زندگی سے معصیت ختم ہو جائے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی اصل وجہ:

اس نسبت کی عظمت ہر وقت دل پر حاوی رہنی چاہئے کہ یہ صدیقی نسبت ہے۔ جو کیفیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب مبارک کی تھی وہی منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ان کی اہلیہ فرماتی تھیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر فضیلت نماز اور روزوں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ دل کے اس درد اور غم کی وجہ سے تھی جو اللہ نے ان کو عطا کر دیا تھا۔

فضائل ومناقب

اب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چند فضائل آپ کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں تا کہ ان کی محبت دل میں بیٹھ جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ یہ کتنی عظیم نسبت ہے جو ہمارے مشائخ کے ذریعے سے منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔

بلا تامل قبول اسلام:

• سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے بغیر تذبذب کے نبی علیہ السلام پر ایمان قبول فرما لیا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے، نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں نے جس پر بھی ایمان کو پیش کیا ہر ایک نے کچھ سوچ و بچار کیا سوائے ابو بکر کے کہ جیسے ہی میں نے اس پر اسلام کو پیش کیا اس نے بغیر تذبذب

کے اسلام کو قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اسلام کو پیش کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ میں مشورہ کروں گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو مرنے مارنے پر تل گئے تھے۔ یہ شان صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی کہ انہوں نے بغیر تذبذب کے اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر ان کی وجہ سے کئی جلیل القدر صحابہ نے اسلام قبول کیا۔ جن میں سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اب سوچئے کہ کتنی بابرکت نسبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی وجہ سے اسلام قبول کرنے والے بن گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خوبی:

محترم جماعت! جب تاریخ بن جاتی ہے تو پھر تو دشمن بھی مان لیا کرتے ہیں، لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ انسان تاریخ بننے سے پہلے اس کو تسلیم کر لے۔ آج تو آپ کو ایسے ہندو بھی ملیں گے جنہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں نعتیں کہیں، ایسے سکھ بھی ملیں گے جنہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں کتابیں لکھیں، بلکہ اب تو ساری دنیا مانتی ہے۔ لیکن جب نبی علیہ السلام نے نبوت کا اظہار فرمایا تھا اس وقت ابھی تاریخ نہیں بنی تھی۔ جنہوں نے اس وقت بغیر پس و پیش کے اس کو قبول کر لیا اللہ کے نزدیک وہ ہستیاں بڑی عظیم تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کو اس وقت مان لیا تھا جب کہ ابھی تاریخ نہیں بنی تھی۔

امت میں بلند و بالا ہستی:

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی کرنیں سب سے پہلے اس عمارت پر پڑتی

ہیں جو سب سے بلند و بالا ہوتی ہے اسی طرح جب نبوت کا سورج طلوع ہوا تو اس کی پہلی کرنیں اس ہستی پر پڑیں جو امت میں سب سے بلند و بالا تھی ۔ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات تھی ۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں تھے ۔ کفار نے آ کر نبی علیہ الصلوۃ و السلام کو ایذا پہنچانی شروع کر دی ۔ ایک کافر کہیں باہر نکلا ۔ اس نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہنے لگا۔ اَدْرِکْ صَاحِبَکْ کہ تو اپنے دوست کا خیال کر کہ اس کو تو کفار ایذا پہنچا رہے ہیں ۔ آپ بھاگے ہوئے مسجد میں پہنچے اور مجمع کو چیر کر اندر گئے اور فرمانے لگے ۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہ کیا تم اس ہستی کو مارنا چاہتے ہو جو یہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے ۔ اب کافروں نے نبی علیہ السلام کو چھوڑ کر ان کو مارنا شروع کر دیا۔ روایات میں آیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ زبان سے صرف اتنا کہہ رہے تھے تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَام کفار نے اتنا مارا کہ بے ہوش ہو گئے ۔ اس وقت ان کے قبیلے کے لوگ وہاں پہنچے اور ان کو اٹھا کر گھر لے آئے ۔ ۔ بہت دیر تک ہوش میں نہ آئے ، رات گزر گئی ۔

جب ہوش میں آئے تو والدہ نے کہا ، بیٹا ! کچھ کھا لو ۔ اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے پوچھا ، اماں ! مجھے یہ بتاؤ کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کس حال میں ہیں؟ اس نے کہا ، بیٹے ! تیرا اپنا یہ حال ہے کہ جسم زخموں سے چور چور ہو چکا ہے ، تم اب بھی پوچھ رہے ہو کہ ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا ، ہاں ! جب تک مجھے ان کے حال کا پتہ نہیں چلے گا میں کچھ نہیں کھاؤں گا ۔ ان کی والدہ نے

کہا کہ مجھے تو نہیں پتہ کہ وہ کس حال میں ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ام جمیل رضی اللہ عنہا کا نام بتایا اور فرمایا کہ ان کے پاس جایئے وہ آپ کو بتائیں گی۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ نبی علیہ السلام دارارقم میں ہیں۔ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا پتہ چلا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ساتھ دارارقم پہنچے۔ روایت میں آیا ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دارارقم پہنچے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت کو دیکھ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ابوبکر کا بوسہ لیا اور اس کے بعد سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ سبحان اللہ۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ ایذا دی گئی اس کے بعد اسی دن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔ چنانچہ کتابوں میں علما نے لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا مانگی تو عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قربانی دی تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔ ان کی قربانی بھی کتنی عظیم قربانی تھی کہ جس کی وجہ سے ایک جلیل القدر ہستی ایمان لے آئی۔

جنت کی خوشخبری:

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، آج روزہ دار کون ہے؟ صحابہ کے پورے مجمع سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا، آج جنازے کے پیچھے کون چلا؟ اس پر بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا، آج محتاج کو کھانا کس نے کھلایا؟ اس کے جواب میں بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، آج بیمار کی عیادت کس نے کی؟ اس

پر بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ جب چاروں مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کے اندر یہ چار اوصاف موجود ہوں میں اس کو جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔

فضائل صدیقی رضی اللہ عنہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (181) احادیث موجود ہیں اور اٹھاسی (88) احادیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں کے فضائل میں موجود ہیں، سترہ (17) احادیث ایسی ہیں جن میں خلفا ثلاثہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا ذکر ہے۔ اور چودہ احادیث ایسی ہیں جن میں خلفائے اربعہ کے فضائل موجود ہیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل کس قدر بیان ہوئے ہیں۔

لفظ ''ابوبکر'' کی لغوی تحقیق:

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نام ''ابوبکر'' بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر میدان میں دوسروں سے آگے کر دیا۔ وہ کیسے؟ طلبا جانتے ہیں کہ جس لفظ کا مادہ ب، ک، ر، ہو یعنی فا کلمہ، ع کلمہ، اور ل کلمہ ب، ک، ر ہو تو اس مادہ سے جو لفظ بنتا ہے اس کا ترجمہ ''سب سے پہلی چیز'' بنتا ہے۔ مثال کے طور پر بـکـرۃ، کل صبح، گویا دن کا پہلا حصہ۔ اسی طرح بـکـور اس پھل کو کہتے ہیں جو موسم کا پہلا پہلا پھل ہو۔ بـاکرہ کنواری لڑکی کو کہتے ہیں جس نے خاوند نہ دیکھا اور شادی ہو کر پہلی مرتبہ خاوند کے پاس آئے۔ تو ب، ک، ر جس لفظ کا مادہ ہو وہ اپنے میدان میں سب سے آگے ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے ''

ابو بکر'' رکھوایا لہٰذا ہر میدان میں دوسروں سے آگے رہے۔

اوّلیات صدیقی رضی اللہ عنہ:

دیکھئے، مردوں میں سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، اس میں بھی وہ اوّل۔ قرآن مجید کا نام انہوں نے سب سے پہلے ''مصحف'' رکھا۔ اس میں بھی وہ سب سے اوّل۔ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بنے، اس میں بھی سب سے اوّل۔ انہوں نے سب سے پہلے خلافت کا ولی عہد متعین کیا، اس میں بھی سب سے اوّل۔ ان کا لقب عتیق پڑا، اس میں بھی سب سے اوّل۔ ان کو لقب ''صدیق'' ملا اس میں بھی سب سے اوّل، انہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا اس میں بھی سب سے اوّل، ان کو اپنے باپ کی زندگی میں خلافت ملی اس میں بھی سب سے اوّل، انہوں نے بیت المال قائم کیا اس میں بھی سب سے اوّل۔ ان کا لقب خلیفۃ الرسول بنا اس میں بھی سب سے اوّل۔ اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ میری امت میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اس میں بھی سب سے اوّل۔ ان کو ''اوّلیات صدیقی'' کہا جاتا ہے۔

سفر ہجرت کی چند جھلکیاں

ان کے ہجرت کے سفر کے بھی چند نکات سن لیجئے۔ آپ حضرات گوش ہوش سے سنئے گا۔

در صدیق رضی اللہ عنہ پر آمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ہجرت کا سفر جب ہونا تھا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر

پہنچے۔ پہلے دوپہر کے وقت تشریف لائے اور پورے سفر کی تیاری کر لی گئی۔ پھر واپس تشریف لے گئے اور سفر پر روانہ ہونے کے لئے رات کو تشریف لائے۔ جب رات کو تشریف لائے تو ابھی دروازے پر تشریف لا کر کھڑے ہی ہوئے تھے کہ معمولی سی آہٹ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً باہر نکل آئے۔ پوچھا، ابوبکر! تم جاگ رہے تھے؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جی ہاں جاگ رہا تھا۔ پوچھا، کیا تم سوئے نہیں؟ عرض کیا، جی نہیں سویا۔ پوچھا، ابوبکر! کیوں نہیں سوئے؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ خیال رہا کہ آپ تشریف لائیں گے، ایسا نہ ہو کہ آپ تشریف لائیں اور میں سویا ہوا ہوں، آپ کو انتظار میں چند لمحے کھڑا ہونا پڑے، اس خیال کے آنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نیند ہی نہیں آئی، میں آپ کی راہ تکتا رہا۔

تخلیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، مجھے تخلیہ کی ضرورت ہے۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میری دو بیٹیاں ہیں اور اہل خانہ ہیں ان کے علاوہ گھر میں اور کوئی نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، بہت اچھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سفر کی تیاری کرو۔ سامان میں سے کسی چیز کو باندھنے کی ضرورت تھی۔ آپ کی بڑی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس ایک دوپٹہ تھا۔ انہوں نے کپڑے کے دو ٹکڑے کر دیئے اور ایک میں سامان باندھ دیا اور دوسرا اپنے سر پر لے لیا۔

غار ثور میں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کے سب لوگوں کے ذمے کام

لگائے۔ اپنے بیٹے عبدالرحمن ؓ سے کہا کہ تم سارا دن قریش مکہ کی باتیں سننا اور ہمیں رات کے وقت غار ثور میں آ کر حالات بتا دینا، بیوی سے کہا کہ گھر میں کھانا بنا دینا، اپنی بیٹی اسماء ؓ سے کہا کہ تم چھوٹی ہو، تم یہ کھانا ہمیں غار ثور میں پہنچا دینا، اور اپنے غلام سے کہا کہ تم بکریاں چرانے کے بہانے ہمیں دودھ پلا جانا۔ گویا پورے گھرانے کو ہی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کے لئے مشغول کر دیا اور خود بھی ساتھ چلے گئے۔

حضرت اسماء ؓ کی سمجھداری:

سیدنا صدیق اکبر ؓ کے پاس چالیس ہزار درہم و دینار تھے جن میں سے پانچ ہزار بچ گئے تھے، جاتے ہوئے صدیق اکبر ؓ وہ بھی ساتھ لے گئے کہ ممکن ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کی بھی ضرورت پیش آ جائے۔ جب وہ سب رقم لے کر چلے گئے تو ان کے بعد ان کے والد ابو قحافہ ؓ آ گئے۔ انہوں نے پوچھا ابوبکر کہاں ہے؟ جواب ملا کہ وہ تو سفر پر چلے گئے۔ وہ پریشان ہو گئے کہ پتہ نہیں کہ وہ گھر میں کچھ چھوڑ کر بھی گئے ہیں یا نہیں۔ حضرت اسماء ؓ بڑی سمجھدار تھیں۔ انہوں نے کپڑے میں بہت سے پتھر بھر دیئے اور اپنے دادا کے سامنے رکھ کر کہا دادا جان! اس کپڑے میں کتنا کچھ ہے جو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ آنکھوں سے نابینا تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اوپر سے ہاتھ لگایا تو انہیں کوئی سخت چیز محسوس ہوئی۔ وہ سمجھے کہ اس میں مال پیسہ ہے۔ کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں اگر وہ سفر پر چلے گئے ہیں تو ہمارے لئے بھی تو کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بچوں کے ایمان کو بھی اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنے دادا کو تسلی دے دی اور یہ کہہ دیا کہ اگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہمارے ابو سفر پر

گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے پیچھے ضائع نہیں فرمائیں گے۔

استقامت ہو تو ایسی:

حضرت اسماءؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو پہلے دن کھانا پہنچا آئیں۔ جب دوسرے دن پہنچانے کے لئے گئیں تو روایت میں آیا ہے کہ ان کے ماتھے پر زخم تھا اور کچھ مغموم سی تھیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھا تو پوچھا، اسماء! آج مجھے تم پریشان اور غم زدہ نظر آتی ہو۔ جب آپ ﷺ نے پوچھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ پوچھا، اسماء! کیا بات ہے؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! کل جب میں آپ کو کھانا دے کر واپس گئی تو راستے میں ابوجہل مل گیا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا۔ کہنے لگا، ابوبکر کی بیٹی! تجھے پتہ ہوگا کہ تیرے والد کہاں ہیں اور تمہارے پیغمبر کہاں ہیں؟ میں نے جواب میں کہہ دیا کہ ہاں مجھے پتہ ہے۔ وہ کہنے لگا، مجھے بتاؤ۔ میں نے کہا میں نہیں بتاؤں گی۔ اس نے مجھے دھمکایا، ڈرایا اور کہنے لگا کہ اگر تم نہیں بتاؤ گی تو میں تمہیں بہت ماروں گا، سخت سزا دوں گا۔ میں نے کہا، میں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ! اس نے مجھے یک دم زوردار تھپڑ لگایا تو میں نیچے گری، پتھر پر میری پیشانی لگی، اس میں سے خون نکل آیا اور میری آنکھوں میں سے آنسو نکل آئے، پھر اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کہا کہ بتا ورنہ تجھے اور ماروں گا۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے اسے کہا، ابوجہل! میری جان تو تیرے حوالے مگر میں محمد عربی ﷺ کو تیرے حوالے نہیں کروں گی۔

صدیق اکبرؓ کو خراج تحسین:

یہ وہ وقت تھا جب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابوبکر! میں نے دنیا میں

سب کے احسانات کے بدلے چکا دیئے مگر تیرے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ دے گا۔ سبحان اللہ۔ احسان کرنے والے نے بھی کیا حد کر دی کہ محبوب ﷺ کو ان الفاظ میں تعریف کرنا پڑی۔

وفا کی انتہا:

جب غار ثور میں پہنچنے کے لئے پہاڑ پر چڑھنے کا وقت تھا تو نبی اکرم ﷺ پاؤں کے پنجے لگا رہے تھے اور ہاتھوں کے بل اوپر چڑھ رہے تھے۔ پورا پاؤں نہیں لگا رہے تھے۔ اس طرح چڑھنے کا مقصد یہ تھا کہ قدموں کے نشان نہ لگیں تا کہ دشمن قدموں کے نشان دیکھ کر پیچھے نہ آ جائیں۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ محبوب ﷺ زمین پر پورے پاؤں نہیں لگا رہے فقط پنجے لگا رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ابوبکر حاضر ہے، مہربانی فرمایئے، آپ میرے کندھوں پر سوار ہو جایئے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کے کندھوں پر سوار ہوئے اور وہ نبی اکرم ﷺ کو لے کر غار ثور تک پہنچے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشکش:

جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ان بتوں کو توڑ دیا جائے۔ کچھ بت اونچے لٹکے ہوئے تھے۔ ان کو توڑنے کے لئے اونچائی کی ضرورت تھی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں یہاں رکوع کی حالت میں کھڑا ہوتا ہوں، آپ میری پیٹھ کے اوپر چڑھ کر ان بتوں کو توڑ دیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اِنَّکَ لَا تَسْتَطِیْعُ حَمْلَ ثِقْلِ نُبُوَّۃٍ عَلِیُّ! تو نبوت کا بوجھ اپنی پیٹھ کے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ سبحان اللہ، جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پیش کش

کی تو محبوب ﷺ نے یہ فرما کر انکار کر دیا لیکن جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا تو محبوب ﷺ ان کے کندھوں پر سوار ہوئے اور انہوں نے اس بوجھ کو اٹھا کر غار ثور تک پہنچا دیا۔

محبوب ﷺ کی حفاظت:

نبی اکرم ﷺ اور صدیق اکبرؓ جونہی غار میں داخل ہوئے مکڑی نے آ کر غار کے منہ پر جالا بن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے تا کہ اگر دشمن قریب بھی آئیں تو وہ یہ سمجھ کر واپس ہو جائیں کہ یہاں تو کوئی بھی نہیں اور ہوا بھی یہی کہ جب دشمن غار کے دہانے پر پہنچے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ غار کے اندر تو کوئی بھی نہیں ہوگا کیونکہ مکڑی نے جالا بنا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کے لئے ہو رہا تھا۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار عقیدت:

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی ہے۔

فالصدق فی الغار و الصدیق لم یربا
و هم یقولون ما بالغار من ارم
ظنوا الحمام و ظنوا العنکبوت علی
خیر البریة لم تنسج و لم تحم
وقایة الله اغنت عن مضاعفة
من الدروع و عن عال من الاطم

کسی نے ان اشعار کا اردو زبان میں کیا ہی خوب منظوم ترجمہ کیا ہے

صدق اور صدیق اکبرؓ غار ہی میں تھے چھپے
غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بہم
دیکھ کر انڈے کبوتر کے ادھر مکڑی کا جال
تھا گماں کفار کو واں تو نہیں شاہ امم
کی حفاظت آپ کی ایسی خدائے پاک نے
زرہ اور قلعوں سے مستغنی ہوئے شاہ امم

حسن رسول ﷺ اور عشق صدیق رضی اللہ عنہ کا حسین امتزاج:

جب غار کے اندر داخل ہوئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوری غار میں نظر دوڑائی۔ انہیں غار میں کچھ سوراخ نظر آئے۔ انہوں نے سب سوراخ کپڑے سے بند کر دیئے مگر ایک سوراخ کو بند کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس طرح بیٹھے کہ انہوں نے اپنا پاؤں سوراخ کے اوپر رکھ دیا۔ اب نبی اکرم ﷺ ہیں اور ان کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بھی عجیب منظر ہوا۔ دنیا نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ محبّ بھی ہے اور محبوب بھی ہے اور اس غار کی تنہائی بھی ہے، عشاق کی تمنا ہوتی ہے کہ

ہم ہی ہم ہوں تری محفل میں کوئی اور نہ ہو

سبحان اللہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے یہ موقع عطا فرما دیا۔ اللہ رب العزت نے ان کو یہ نعمت دی کہ ایک طرف حسن رسول ﷺ ہے اور دوسری طرف عشق صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرمانے لگے۔ سبحان اللہ، کسی شاعر نے اس منظر کو عجیب الفاظ میں کہا

یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لاجواب ہے
رکھی ہوئی رحل پہ خدا کی کتاب ہے

یعنی یوں لگتا تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود مبارک رحل کی مانند ہے اور نبی علیہ السلام کا چہرۂ مبارک اس رحل میں رکھے ہوئے قرآن کی مانند ہے۔ یہ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بخت ہیں۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے وہاں اس قرآن کو کتنا پڑھا ہوگا۔ جی بھر کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہوگا۔ عاشقوں کے امام کو اللہ تعالیٰ نے کتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ تنہائی ہے اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس ان کی گود میں ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر لگی ہوئی ہیں۔ آج تو عشق والے کہتے ہیں کہ ہم کوئی کتاب پڑھنے بیٹھیں تو ہمیں کتاب کی بجائے محبوب کا چہرہ نظر آتا ہے مگر اے عاشقوں کے امام! تیری عظمت کو سلام، کہ تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو کتاب کی طرح پڑھ رہا ہے۔ کہنے والے نے کہا

کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

جس کو محبت ہو اس کو تو عام کتاب میں بھی محبوب کا چہرہ دکھائی دیتا ہے اور وہاں تو عشق حقیقی کا معاملہ تھا۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عجیب کیفیت ہوگی۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو جی بھر کر ٹھنڈا کیا ہوگا۔ سبحان اللہ

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لاجواب مثال:

دیدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حسرت تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رہا کرتی تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی مجالس میں حاضر

ہوتے تھے۔ وہ خاموشی سے آتے، بیٹھے رہتے اور پھر چلے جاتے تھے۔ انہوں نے کبھی کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کی اس بات پر حیران ہوئے اور ایک دن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے میرے صحابی! تم آتے ہو اور محفل میں خاموش بیٹھ کر چلے جاتے ہو، تم نے کبھی کوئی بات نہیں پوچھی، آخر کیا وجہ ہے؟ وہ کہنے لگے، اے محبوب ﷺ! میں ایک مقصد لے کر آتا ہوں اور اس مقصد کو پورا کر کے چلا جاتا ہوں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا، تمہارے آنے کا کیا مقصد ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں گھر سے چلتے ہوئے دل میں یہ مقصد لے کر آتا ہوں کہ میں جاؤں گا اور اللہ کے محبوب ﷺ کے چہرہ کا دیدار کر کے آؤں گا۔ لہٰذا میں جتنی دیر آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتا ہوں بس آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتا رہتا ہوں۔ اس طرح میرا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور پھر میں واپس چلا جاتا ہوں۔ جب اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، اچھا اگر تم اس مقصد کے لئے آتے ہو کہ میرا دیدار کر کے جاؤ تو پھر سن لو کہ جس نے محبت کی نظر کے ساتھ میرے چہرے کا دیدار کر لیا اللہ اس بندے پر جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار عقیدت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تنہائی میں دیدار کے مزے لے رہے ہیں۔ اسی لئے حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''اے ابوبکر! میں جب تصور کی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تیری گود ایک رحل

کی مانند ہے اور میرے محبوب ﷺ کا چہرۂ اقدس قرآن کی مانند ہے، اے ابوبکر! تو مجھے قاری نظر آتا ہے جو اس غار کی تنہائی میں بیٹھا اس قرآن کو پڑھ رہا ہے"۔ سبحان اللہ، اس وقت کیا فیض ملا ہوگا، کیا نور سینے میں آیا ہوگا، یہ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی جانتے ہیں۔

ایک اہم نکتہ:

یہاں ایک نکتہ نکلا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے مخلوق کو سجدہ کروانا ہوتا تو پھر کملی والے ﷺ سے زیادہ حسین خدا کوئی نہ ہوتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کی تنہائی میں کملی والے ﷺ کو سجدہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ مخلوق کے لئے نہیں بلکہ سجدہ خدا کے لئے ہے۔

گلاب کے پھول پر شبنم:

اس دوران یہ ہوا کہ جس سوراخ پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پاؤں رکھا ہوا تھا اس میں ایک سانپ تھا۔ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں مبارک پر کاٹ لیا۔ جیسے ہی سانپ نے کاٹا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوئی اور زہر نے اثر کیا۔ ادب کی وجہ سے زبان سے کوئی لفظ نہ نکالا کہ کہیں میرے محبوب ﷺ کی نیند میں خلل نہ آجائے، لیکن درد کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو آگئے اور یہ سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دینی تھی کہ جب آنسو گرا تو زمین پر نہیں بلکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے رخسار مبارک پر گرا۔ چہرۂ اقدس پر آنسو پڑتے ہی نبی اکرم ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا مَایُبْکِیْکَ یَا اَبَابَکْرٍ اے ابوبکر! تو کیوں روتا ہے؟ ارے رحمۃ اللعالمین تو تیری گود میں ہیں، اس حال میں بھی تو رو رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں

آنسو تھے اس لئے بتا دیا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرا پاؤں اس سوراخ پر تھا، کسی موذی چیز نے پاؤں پر کاٹ لیا ہے جس کے زہر کی وجہ سے آنسو نکل آئے۔ اور آنسو بھی گرے تو کہاں گرے؟ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے چہرۂ انور پر گرے۔ کسی شاعر نے اس پر بھی مضمون باندھ دیا

آنسو گرا ہے روئے رسالت مآب ﷺ پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

سبحان اللہ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آنسو شبنم کی مانند اور میرے محبوب ﷺ کا رخسار گلاب کے پھول کی مانند۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا، ابوبکر! کیوں روتے ہو؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اس زہر کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہے اس لئے میں رو رہا ہوں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس زخم کے اوپر لگایا جس کی وجہ سے تکلیف بھی جاتی رہی اور زخم بھی ٹھیک ہو گیا۔

لعاب نبوی ﷺ کے معجزات:

میرے محبوب ﷺ کا لعاب دہن وہ مبارک لعاب ہے جو نمکین پانی کے کنویں میں پڑتا ہے تو اس کنویں کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مبارک آنکھوں پر لگتا ہے تو بیمار آنکھیں ٹھیک ہو جاتی ہیں، جو چودہ آدمیوں کے کھانے میں پڑتا ہے تو چودہ سو آدمیوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے، ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ پر پڑتا ہے تو وہ آنکھ دوبارہ ٹھیک ہو جاتی ہے، وہ لعاب مبارک اگر جبرئیل امین علیہ السلام کو بھی مل جاتا تو وہ بھی اس کو آنکھوں کا سرمہ بنا لیتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ! تیری قسمت بھی عجیب ہے کہ محبوب ﷺ خود اپنا لعاب مبارک تیرے پاؤں پر لگا رہے ہیں۔

نوری رفیق اور بشری رفیق کے مقامات:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک معراج کا سفر ہے اور ایک ہجرت کا۔ معراج کے سفر میں بھی رفیق سفر ہیں اور ہجرت کے سفر میں بھی رفیق سفر ہیں۔ مگر دونوں میں ایک بات بڑی عجیب ہے کہ جو معراج کے سفر میں رفیق تھا وہ فرشتوں کا امام بنا اور جو ہجرت کے سفر میں رفیق تھا وہ صحابہ ؓ کا امام بنا۔ یعنی جو معراج کے سفر کا رفیق تھا اسے اللہ رب العزت نے ملائکہ کی امامت کا تاج پہنا دیا اور جو ہجرت کے سفر کا رفیق تھا اللہ رب العزت نے اس کو صحابہ ؓ میں خلافت کا تاج پہنا دیا۔

منزل مقصود تک رفاقت:

لیکن ایک فرق اور بھی ہے کہ جو معراج کے سفر کے رفیق تھے۔ وہ ساتھ تو چلے مگر ایک جگہ پر پہنچ کر انہوں نے کہہ دیا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! اس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اسی جگہ رک گئے اور اس سے آگے نبی علیہ الصلوۃ والسلام خود ہی کیلئے تشریف لے گئے۔ مگر جو ہجرت کے سفر کے رفیق تھے وہ جہاں سے چلے، وہاں سے لے کر منزل پر پہنچنے تک محبوب ﷺ کے ساتھ رہے۔ پنجابی زبان میں کہتے ہیں ''اک موڑ دا ساتھ تے اک توڑ دا ساتھی''، یعنی کوئی ساتھی تو تھوڑا سا ساتھ دیتا ہے اور کوئی ساتھی منزل مقصود تک ساتھ دیتا ہے۔

ایک اور نکتہ:

یہاں پر ایک نکتہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب نبی اکرم ﷺ معراج کی شب سفر پر تشریف لے گئے تو رفیق سفر بلانے کے لئے آپ ﷺ کے در اقدس پر ام ہانی ؓ کے گھر حاضر ہوا لیکن جب ہجرت کا سفر درپیش تھا تو بلانے کے لئے

محبوب ﷺ اپنے رفیق کے گھر خود تشریف لائے۔

مرتبے میں سب سے آگے:

ایک بات اور بھی ذہن میں رکھئے کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام ابھی بچے تھے اور حلیمہ سعدیہؓ اپنے گھر لے جانے لگیں تو اس کی سواری اگرچہ پہلے بیمار سی تھی، سب سے پیچھے رہ گئی تھی، لیکن جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس پر سوار ہوئے تو وہ سواری اتنی تیز دوڑنے لگی کہ سب سواریوں سے آگے نکل گئی۔ یہاں سے ایک نکتہ یہ نکلا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام جس سواری پر سوار ہوئے وہ دوسری سواریوں سے آگے نکل گئی اور ہجرت کے سفر میں نبی اکرم ﷺ ابو بکرؓ کے کندھوں پر سوار ہوئے تو ابو بکرؓ بھی سب صحابہؓ سے مرتبے میں سب سے آگے نکل گئے۔

امانت الٰہی کی حفاظت:

ہجرت کی رات نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ لوگوں کی میرے پاس کچھ امانتیں ہیں جو انہیں لوٹانی ہیں، آپ وہ امانتیں اپنے پاس رکھ لیجئے اور صبح یہ لوگوں کو پہنچا دینا۔ یہاں سے علما نے ایک نکتہ نکالا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی امانتیں ان تک پہنچانے کے لئے سیدنا علیؓ کو چن لیا کہ اے علی! لوگوں کی امانتیں ان تک پہنچا دینا اور ابو بکر صدیقؓ کو چن لیا کہ ابو بکرؓ! تم میری امانت کو مکہ سے مدینہ پہنچا دینا۔

قبر کا ساتھ:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے سیدنا علیؓ کو حکم دیا کہ تم میری چارپائی پر

سو جاتا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو یہ سعادت ملی کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی چارپائی پر آدھی رات تک آرام کیا۔ لیکن جو رفیق سفر بنے ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات سے لے کر قیامت تک اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ سونے کی توفیق عطا فرمادی۔

معیت الٰہی کی خوشخبری:

ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ غار حرا میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو نبوت کی خوشخبری ملی تھی اور غار ثور میں ابوبکر صدیقؓ کو معیت الٰہی کی خوشخبری ملی۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یہاں پر بعض لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو جو کہنا پڑا کہ لَا تَحْزَنْ گھبراؤ نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ کمزور دل ہونے کی وجہ سے جلدی ڈر گئے تھے۔ علما نے اس کا یہ جواب دیا کہ ان کا یہ حزن اور غم اپنی ذات کے لئے نہیں تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ کے لئے تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار آجائیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کو کوئی ایذا پہنچائیں۔ اس کی دلیل قرآن پاک سے ملتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو فرماتے ہیں کہ تم تو چاہتے ہو کہ تم یوسف کو لے جاؤ مگر اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَكَلَهُ الذِّئْبُ کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اسے لے کر جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس وقت کس چیز کا غم تھا؟ اپنا غم تھا یا حضرت یوسف علیہ السلام کا تھا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے غم تھا۔ تو معلوم ہوا کہ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے حزن تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی نبی علیہ السلام کی وجہ سے حزن تھا کہ ان کو کہیں کوئی تکلیف نہ پہنچا دے

ایک اور مثال پر غور کریں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ

السلام کی موجودگی میں کہا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ لیکن میرے محبوب ﷺ نے اپنے رفیق سفر کی موجودگی میں یہ نہیں کہا کہ میرا رب میرے ساتھ ہے بلکہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے ان کو معیت الٰہی کی بشارت نصیب ہوئی۔ اس کو ''معیت کبریٰ'' کہتے ہیں۔ یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی اور اس کا اظہار نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے کروایا گیا۔

ثانی اثنین کا لقب:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین کہا گیا۔ یعنی دو میں سے دوسرا۔ کیونکہ جہاں نبی علیہ الصلوۃ والسلام پہلے بنے وہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے بنے۔ ایمان لانے میں دوسرے، غار ثور میں دوسرے، خلافت ملنے میں دوسرے، تبلیغ کرنے میں دوسرے، روضہ اقدس میں دفن ہونے میں دوسرے، محشر کے دن کھڑے ہونے میں دوسرے اور قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے میں دوسرے ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین راتوں کا مقام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے کہ آپ میری ساری زندگی کی نیکیاں لے لیجئے اور مجھے غار ثور والی تین راتوں کی نیکیاں دے دیجئے کیونکہ مجھے ان تین راتوں کی نیکیاں اپنی ساری زندگی کی نیکیوں سے زیادہ نظر آتی ہیں۔

ستاروں سے بھی زیادہ نیکیاں:

ایک دفعہ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ آرام فرمارہی تھیں۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے، ان کے دل میں خیال آیا کہ آسمان پر جتنے ستارے ہیں اتنی نیکیاں بھی کسی کی ہوں گی؟ انہوں نے یہی سوال نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوں گی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ہاں عمر ؓ کی ہوں گی۔ یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ ؓ خاموش ہوگئیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے خود پوچھا، عائشہ! تم سوچ رہی ہوگی کہ میرے والد کا نام نہیں لیا۔ کہنے لگیں، جی ہاں بالکل یہی سوچ رہی تھی۔ فرمایا، عائشہ! ان کی بات کیا سوچتی ہو، ان کی تو غارثور میں گزری ہوئی ایک رات کی نیکیاں آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ سبحان اللہ

حضرت ابوبکر ؓ کے ایمان کا وزن:

بیہقی شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر پوری امت کے ایمان کو ابوبکر ؓ کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر ؓ کا ایمان بڑھ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ایمان عطا فرمادیا تھا۔

صدیق اکبر ؓ کے سینہ میں انوارات نبوت:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ اِلاَّ وَ قَدْ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں جو کچھ بھی ڈالا ہے میں نے اسے ابوبکر ؓ کے سینے میں ڈال دیا ہے

نسبت کی برکات:

اس نسبت کی قدر کیجئے کیونکہ یہ نسبت بہت ہی مضبوط نسبت ہے۔ اس لئے

دلوں کو بدلنے میں اس کی عجیب تاثیر ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سلسلہ میں بیعت ہونے سے پہلے کئی لوگ غفلت میں پڑے ہوتے ہیں مگر بیعت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی صبح و شام کو بدل دیتے ہیں۔ ان کے کردار، ان کی گفتار حتیٰ کہ ان کی رفتار میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ یہ نسبت کی برکتیں ہوتی ہیں۔ جیسے کوئی بنجر زمین کو پانی دے کر دانہ ڈال دے تو پھر اس میں سے پھل پھول نکلنا شروع ہو جاتے ہیں، یہ نسبت بھی اسی طرح ہے کہ جس بندے کو بھی تعلق نصیب ہوتا ہے اس بندے میں سے نیک اعمال کے پھل پھول نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فنائے کامل:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَيِّتٍ يَّمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اِبْنِ اَبِىْ قُحَافَةَ کہ جو آدمی چاہے کہ وہ زمین پر چلتی ہوئی لاش کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ یعنی ان کی فنا اتنی کامل تھی کہ وہ سطح زمین پر تو چل رہے ہوتے تھے مگر ان کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انقطاع عن المخلوق اتنا کامل عطا کیا ہوا تھا کہ وہ چل تو فرش پہ رہے ہوتے تھے مگر دل عرش والے کے ساتھ اٹکا ہوا ہوتا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تجلی خاص:

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اسناد کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلّٰى لِلْخَلْقِ عَامَّةً وَّ لٰكِنْ لِّاَبِىْ بَكْرٍ خَاصَّةً قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے لئے عام تجلی فرمائیں گے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص تجلی فرمائیں گے۔ اس

لئے کہ ابو بکرؓ نے اللہ کے محبوب ﷺ کا ساتھ دیا۔ خاص تجلی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو بکرؓ کو مسکرا کر محبت بھری نظر سے دیکھیں گے۔ سبحان اللہ، اس لئے قیامت کے دن کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہوں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر مسکرائیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کر مسکرائیں گے۔

نسبتوں کا احترام:

ہم تمام نسبتوں کا احترام کرتے ہیں کیونکہ جو بھی صاحب نسبت مشائخ ہوتے ہیں چاہے وہ کسی سلسلہ کے بھی ہوں ان کا اکرام کرنا لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر تو ایمان لائے مگر ہم تمام انبیا کی بھی عزت کرتے ہیں کیونکہ کسی کے بارے میں بھی کوئی گستاخی کرے گا تو اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اسی طرح ہم تمام صاحب نسبت مشائخ کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے مشائخ کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔

ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

(ہر پھول کا رنگ اور اس کی خوشبو جدا ہوتی ہے)

سلسلہ ءنقشبندیہ کا خاصہ:

ہمارے اس سلسلہ ء عالیہ میں مشائخ کے اندر اتباع سنت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی اتباع سنت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں محبوبیت رکھی ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہو ہا نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت زیادہ شعر اشعار اور نعرے بازی ہمارے مشائخ میں نہیں ہوتی بلکہ خاموشی ہوتی ہے۔ لیکن خاموشی کے بعد دلوں کے اندر ایک ابال آرہا ہوتا ہے۔

سبز درخت میں سے آگ:

ہمارے سلسلہء عالیہ کے ایک بزرگ کے پاس ایک سالک آیا اور کہنے لگا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ بہت ٹھنڈے ہوتے ہیں، بس چپ چاپ سے رہتے ہیں، ذکر کرتے ہیں تو پتہ ہی نہیں چلتا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور صرف قرآن مجید کی آیت پڑھ دی۔ فرمایا، **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا** وہ ذات جس نے تمہارے لئے سبز درخت میں سے آگ نکال دی۔ مطلب یہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ سبز درخت میں سے آگ نکال سکتا ہے اسی طرح وہ دیکھنے میں ان ٹھنڈے بزرگوں میں سے بھی فیض کی آگ نکال سکتا ہے۔ ان حضرات کی توجہ بہت قوی ہوتی ہے۔

نسبتوں کی برکت کا ایک حیرت انگیز واقعہ:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ حضرت مولانا محمد اسماعیل واڈی دامت برکاتہم انگلینڈ میں ہیں۔ انہوں نے خود ایک واقعہ سنایا۔ چونکہ انہوں نے یہ واقعہ خود سنایا اس لئے یہ عاجز بھی آپ حضرات کو سنانے کی جرأت کر رہا ہے۔ یہ واقعہ سنتے ہوئے نسبت کی برکت کا خیال رکھئے گا۔

فرمانے لگے کہ میرا ایک بیٹا محمد قاسم ہے، (اس عاجز کی ان سے بھی ملاقات ہوئی)۔ کہنے لگے کہ وہ انگریزی پڑھ کر یونیورسٹی میں پروفیسر بن گیا۔ پروفیسر بننے کے بعد اس کے خیالات دہریت کی طرف چلے گئے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو پھر نماز روزہ تو دور کی بات ہوتی ہے۔ جس کو وجود باری تعالیٰ میں ہی شک پڑ جائے، دین میں ہی شک پڑ جائے تو پھر اعمال کرنا تو دور کی بات رہ جاتی ہے۔ گھر کے سارے بچے حافظ، قاری اور عالم اور بیٹیاں بھی حافظہ، عالمہ

فاضلہ۔مگر ان کا یہ بیٹا دوسروں سے ذرا انوکھا بنا کیونکہ یونیورسٹی کے ماحول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ڈارون تھیوری کے پیچھے لگ گئے جس کی وجہ سے ان کو وجود باری تعالیٰ کے بارے میں شک پڑ گیا اور زندگی میں غفلت آ گئی۔

فرمانے لگے کہ میں نے ایک دن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! سارا گھرانہ علما کا ہے، بچیاں بھی عالمہ فاضلہ ہیں، مگر یہ بچہ گھر میں ایسا بن گیا ہے کہ اس کا عجیب حال ہے، ہمارے دل میں ہر وقت دکھ اور غم ہے، اس کی والدہ بھی روتی ہے اور میں بھی روتا ہوں۔مہربانی فرما کر کوئی ایسی دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو بدل دے۔حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ وہ مجھ سے بیعت کر لے۔اب اس کو والد صاحب نے سمجھایا کہ بیٹا! تم بیعت کر لو۔اس نے جواب دیا کہ جب میں نے نماز ہی نہیں پڑھنی تو مجھے بیعت ہونے کا کیا فائدہ؟ مولانا نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پھر عرض کیا کہ حضرت! میرا بیٹا کہتا ہے کہ میں نے جب نہ نماز پڑھنی ہے اور نہ قرآن پڑھنا ہے تو پھر بیعت کا کیا فائدہ؟ حضرت نے فرمایا، کیا میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ نماز پڑھے اور قرآن پڑھے۔میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ بیعت کر لے۔یہ ایک عجیب سی بات ہے جو عام بندے کو سمجھ نہیں آتی۔

اگلے دن اس کے والد نے پھر کہا، بیٹا! یہ بزرگ ہمارے ہاں تشریف لاتے ہیں، تمہاری سب بہنیں اور بھائی ان سے بیعت ہیں، میں بھی بیعت ہوں، تم بھی بیعت ہو جاؤ، اس طرح ہمارے گھر کے سب افراد بیعت ہو جائیں گے۔اس نے کہا، ابو! میں نے کرنا تو کچھ ہے نہیں۔باپ نے کہا، بیٹا! تم کچھ نہ کرنا، صرف بیعت ہو جاؤ۔اس نے دل میں سوچا کہ چلو ابو راضی ہو جائیں گے اس لئے میں

بیعت ہو ہی جا تا ہوں ۔ اب اس نوجوان کو کیا پتہ تھا کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر جو چند کلمات پڑھ لئے جاتے ہیں وہ بندے کے دل کی دنیا بدل کر رکھ دیا کرتے ہیں ۔ وہ اس راز سے واقف نہیں تھا ۔ چنانچہ کہنے لگا ، اچھا جی میں بیعت ہو جا تا ہوں ۔ اس نے اگلے دن حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔

بیعت ہونے کے بعد اس کے دل کی سوچ بدلنا شروع ہو گئی ۔ اس نے حضرت کی صحبت میں بیٹھنا شروع کر دیا ، حضرت سے محبت ہونا شروع ہو گئی ، نمازیں بھی شروع ہو گئیں ، تلاوت بھی شروع ہو گئی ، زندگی کے لیل و نہار بدلنا شروع ہو گئے ۔ حتیٰ کہ اس نے علم پڑھنا شروع کر دیا ، تہجد گزار بن گیا ، اتنا ذاکر شاغل بنا کہ اس کو چند سالوں کے بعد ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت عطا فرما دی ۔ وہ نوجوان جو دہریہ تھا اور خدا بیزار ذہنیت کا مالک تھا اس پر صرف بیعت کے چند کلمات پڑھنے کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے دل میں عشق الٰہی کا ایسا شعلہ پیدا ہوا کہ بالآخر ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اجازت و خلافت عطا فرما دی ۔ اس عاجز کی ان سے ملاقات ہوئی اور وہاں ری یونین میں لوگوں نے بتایا کہ ان کی وجہ سے سینکڑوں نوجوان کفر سے توبہ کر کے اسلام کے اندر داخل ہو چکے ہیں ۔

میرے دوستو ! جو لوگ کلمہ بھی نہیں پڑھے ہوتے ان کے دلوں پر ان کلمات کا اتنا اثر ہوتا ہے تو جو کلمہ گو ہوں اور دل میں طلب اور تڑپ رکھنے والے ہوں ، گھروں سے چل کر آئے ہوئے ہوں ، اگر وہ یہ کلمات پڑھیں گے اور وہ نسبت کا تعلق حاصل کریں گے تو اللہ رب العزت ان کے دل کی دنیا کو کیسے بدلیں گے ۔

خاتمہ بالخیر کی بشارت:

ہمارے دادا پیر حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس دل پر یہ انگلی لگ گئی اس کو کلمہ کے سوا موت نہیں آ سکتی۔ کیونکہ یہ صدیقی نسبت ہے اس کی بڑی برکات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا مقام ہے۔ میرے دوستو! آج کا انسان دوست کے گھر کے کتے کا بھی لحاظ کرجاتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا لحاظ نہیں فرمائیں گے۔

صدیق اکبرؓ کی بات ہی کچھ اور ہے:

ہم تمام مشائخ کا اکرام کرتے ہیں مگر صدیقی نسبت کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ جس طرح پھول تو سب خوشنما ہوتے ہیں مگر گلاب کی بات ہی کچھ اور ہے، چاندی تو خوشنما ہوتی ہے مگر سونے کی بات ہی کچھ اور ہے، موتی تو سب کے سب قیمتی ہوتے ہیں مگر سرخ یاقوت کی بات ہی کچھ اور ہے، دن تو سارے اچھے ہوتے ہیں مگر جمعۃ المبارک کی بات ہی کچھ اور ہے، مہینے تو سب اچھے ہوتے ہیں مگر رمضان المبارک کی بات ہی کچھ اور ہے، راتیں تو سب عبادت کے لئے ہیں مگر لیلۃ القدر کی بات ہی کچھ اور ہے، فقہا تو سارے بزرگ ہیں مگر امام اعظم کی بات ہی کچھ اور ہے، شہر تو سارے اچھے ہیں مگر مکہ اور مدینہ کی بات ہی کچھ اور ہے، فرشتے تو سب اللہ کے مقرب ہیں مگر جبرئیل امین کی بات ہی کچھ اور ہے، انبیا تو سب شان والے ہیں مگر نبی اکرم ﷺ کی بات ہی کچھ اور ہے اسی طرح صحابہؓ تو سب اللہ کے پیارے ہیں مگر صدیق اکبرؓ کی بات ہی کچھ اور ہے۔

نسبت کے کھرے ہونے کی دلیل:

میرے دوستو! جو اذکار بتائے جاتے ہیں ان کو پابندی کے ساتھ کیجئے اور

پھر دیکھئے کہ یہ فیض آپ کے سینے تک پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا۔ البتہ ایک آدمی ڈاکٹر سے نسخہ تو لکھوا لے مگر استعمال نہ کرے اور پھر کہے کہ فائدہ نہیں ہوا تو اس میں ڈاکٹر کا نہیں بلکہ اس مریض کا قصور ہوتا ہے۔ آپ سینکڑوں میں سے نہیں بلکہ ہزاروں میں سے کوئی ایک بندہ ایسا دکھا دیں جو کہے کہ میں معمولات کرتا ہوں اور مجھے اپنے اندر تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس نسبت کے کھرے ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔ آپ زندگی کے اوقات سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ اب جتنا بھی وقت باقی ہے اس میں اپنے دل کی توجہ اللہ کی طرف رکھیں۔ گناہوں سے سچی توبہ کی نیت کریں اور آئندہ نیکوکاری کا ارادہ لے کر جایئے، پھر دیکھنا کہ نسبت کی برکتیں آپ کے اوپر کیسے آئیں گے اور سینوں کو کیسے منور کریں گی۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ایک مرتبہ کہہ دیا، حضرت! حاجی صاحب کو اللہ نے اس لئے بڑی شان عطا فرمائی کہ آپ جیسے بڑے بڑے علما ان سے بیعت تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، تمہاری عقل الٹی ہے اور تم نے الٹی بات کہہ دی ہے، ارے! حاجی صاحب کی شان ہماری وجہ سے نہیں بڑھی بلکہ حاجی صاحب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کی شان بڑھا دی ہے، ورنہ قاسم کو کون پوچھتا اور رشید احمد گنگوہی کو کون پوچھتا، یہ حاجی صاحب کی نسبت تھی جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو شان عطا فرما دی۔

فرمانبرداری والی زندگی اپنانا:

ہمیں چاہئے کہ ہم نسبت کے حصول کے لئے دعائیں بھی مانگیں، تقویٰ بھی

اختیار کریں، معصیت سے بھی جان چھڑائیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کو بھی اختیار کریں تاکہ زندگی کے آنے والے دن ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے مطابق گزار جائیں۔

حصول نسبت کے ذرائع:

ہمیں چاہئے کہ ہم صدیق اکبرؓ کی روش کو اپنائیں۔ وہ اعمال کرنے میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بڑے قدردان ہیں، یہ نسبت اثر کئے بغیر نہیں رہتی، اگر پتھر دل بھی ہو تو وہ اس سے پار کر جاتی ہے اور بالآخر اپنا راستہ بنا لیا کرتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس نسبت کی عجیب برکتیں دیکھی ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم پابندی سے معمولات کریں، اپنا رابطہ رکھیں اور اتباع سنت کریں۔ ان تین کاموں کے کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کے سینے میں نور نسبت عطا فرما دیتے ہیں۔ اس کے اعمال کی کیفیت پہلے سے بہتر ہو جاتی ہے، تواضع آ جاتی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرتا ہے۔

خاموش خدمت:

صدیق اکبرؓ نے اپنے دور خلافت میں غریبوں، ناداروں، اور بیواؤں کی خدمت کرنے کے لئے آدمیوں کو مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وہ فہرست دیکھی تو ایک بڑھیا کے نام کے سامنے اس کی خدمت کرنے کے لئے کسی کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ سمجھے کہ شاید یہ کام کسی نے ذمہ نہیں لیا۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ ان کا کام میں کر دوں گا۔ چنانچہ اگلے دن فجر پڑھ کر اس عورت کے گھر گئے تو دیکھا کہ جھاڑو بھی دیا ہوا ہے اور پانی بھی

بھرا ہوا ہے۔ پوچھا، اماں! یہ خدمت کون کر گیا ہے؟ کہنے لگی کہ کوئی آتا ہے اور وہ پانی بھی بھر جاتا ہے اور جھاڑو بھی دے جاتا ہے، مجھے آج تک اس کے نام کا پتہ نہیں ہے۔ نہ میں نے پوچھا اور نہ کبھی اس نے بتایا ہے۔

انہوں نے سوچا کہ اچھا میں اگلی دفعہ فجر سے پہلے جاؤں گا۔ جب فجر سے پہلے گئے تو دیکھا کہ سب کام ہوا پڑا ہے۔ پھر انہوں نے سوچا کہ میں اب تہجد پڑھتے ہی آ جاؤں گا۔ چنانچہ تہجد کے وقت آئے تو دیکھا کہ جھاڑو بھی دیا ہوا ہے اور پانی بھی بھرا ہوا ہے۔ وہ بھی عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے، کہنے لگے کہ اچھا میں کل دیکھوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اگلے دن عشا کی نماز پڑھی اور راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ دیکھ سکوں کہ بڑھیا کے گھر میں کون جاتا ہے۔

جب آدھی رات کا وقت ہوا اور اندھیرا گہرا ہو گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی جس کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے، ننگے پاؤں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس بڑھیا کے گھر جا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور پوچھنے لگے مَنْ اَنْتَ تو کون ہے؟ جواب ملا، میں ابوبکر ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو کر پوچھنے لگے، اے امیر المومنین! رات کی تاریکی اور تنہائی میں کیا آپ اس بڑھیا کی خدمت کرنے جا رہے ہیں اور پھر پوچھا کہ آپ کے پاؤں میں تو جوتے بھی نہیں، اس طرح ننگے پاؤں کیوں چل رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، عمر! میں نے اس لئے جوتے نہ پہنے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے پاؤں کے جوتے کی آواز سے کسی سونے والے کی نیند میں خلل آ جائے اور کسی کو میرے اس عمل کا پتہ چل جائے۔ میرے عزیز دوستو! ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی جو کام کریں خالصتاً لوجہ اللہ کریں۔ پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کس طرح مہربانی فرمائیں گے۔

صدیق اکبرؓ کی عجیب وصیت:

جب صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے اپنی بیٹی عائشہ صدیقہؓ کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میری انہی دو چادروں کو دھو کر میرا کفن بنا دینا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے کہا، ابا جان! ہم اتنے بھی نہیں کہ آپ کے کفن کی چادریں بھی نہ خرید سکیں؟ مگر آپؓ فرمانے لگے، نئی چادریں تو مُردہ بندے کی نسبت زندہ بندے کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ دل میں کتنی تواضع ہے کہ اپنے کفن کے لئے پرانی چادروں کی وصیت کر کے جا رہے ہیں۔

صدیق اکبرؓ اور خشیت الٰہی:

ان کو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے جنت کی بشارتیں دی ہوئی تھیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی جلالت شان سے ڈرتے تھے۔ بیٹھ کر کہتے تھے کہ اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا، میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا، میں پرندہ ہوتا، میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا۔ ہمارے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہئے تا کہ ہم گناہوں سے بچ کر نیکی کی زندگی گزار سکیں۔

لمحہ فکریہ:

میرے عزیز دوستو! ہم اپنی پہلی زندگی جیسے گزار چکے سو گزار چکے۔ وہ وقت کب آئے گا جب ہم سچی توبہ کریں گے۔ اپنے مالک کے سامنے اپنے دل کے اندر سے یہ عہد کریں گے کہ پروردگار! آج ہم تمام گناہوں سے بری ہوتے ہیں، توبہ کرتے ہیں، معافی چاہتے ہیں، میرے مالک! سر پہ بہت بوجھ اکٹھے کر

چکے ہیں۔ اللہ! آج ہم سچے معنوں میں توبہ کر کے آپ سے معافی کے طلبگار ہیں۔ میرے مالک! ہم گھروں کے اندر گناہوں بھری زندگی گزارتے رہے، یہ تیرے نیک بندوں کی محفل ہے، کوئی اپنی زندگی کی تہجد لے کر آیا، کوئی مراقبے لے کر آیا، تہلیل لسانی اور تہلیل خفی لے کر آیا، ان کی برکت سے ہمارے گناہ معاف فرما دے۔ یا اللہ! اس محفل میں بعض وہ دوست بھی ہیں جو خطوط لکھتے ہیں کہ حضرت! ستائیس سال سے اوّابین کبھی قضا نہیں ہوئی، وہ لوگ بھی ہیں جن کی گیارہ گیارہ سال سے تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی، وہ لوگ بھی ہیں جن کا روزانہ دس ہزار مرتبہ کلمہ کا ذکر کرنا معمول بنا ہوا ہے، بلکہ ایک خوش نصیب ایسے بھی ہیں جنہوں نے خط میں لکھا، حضرت! میرا کوئی بھی ہفتہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دیدار سے خالی نہیں گزرتا۔ یا رب کریم! ان حضرات کی برکت سے ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے۔

اگر آج کی اس محفل میں ہم اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے تو ہماری بگڑی بن جائے گی۔ گھر جا کے معافی مانگیں گے تو ایک ملزم معافی مانگ رہا ہوگا، معلوم نہیں کہ اتنے گناہوں کو معاف کریں گے یا نہیں کریں گے لیکن یہاں تو نیک لوگ موجود ہیں، نیکوں کی بستی میں چل کر جانے والا اگر راستے میں مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت کر دیتے ہیں اور ہم تو چل کر یہاں پہنچ چکے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم دل کی گہرائیوں سے کہیں کہ اے میرے مولا! ہماری اس حاضری کو قبول کر لیجیے اور ہماری اس توبہ کو قبول فرما کر ہمیں آئندہ نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی نصیب فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

علمائے دیوبند کا
تاریخی پس منظر

اس عاجز کو اللہ رب العزت نے 40 سے زائد ممالک میں سفر کرنے کا موقع عطا کیا۔ مشرق بھی دیکھا، مغرب بھی دیکھا، امریکہ بھی دیکھا، افریقہ بھی دیکھا، ایسی جگہ پر بھی گیا جہاں حکومت وقت نے لکھا ہوا تھا کہ یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے۔ ایسے علاقوں میں بھی حاضر ہوا جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوا کرتی ہے۔ اتنا سفر کرنے کی توفیق ملی مگر ایک بات مشاہدے میں آئی کہ ہر جگہ جہاں پر عاجز پہنچا کوئی نہ کوئی علمائے دیو بند کا روحانی فرزند بیٹھا کام کرتا نظر آیا۔

علمائے دیوبند کا تاریخی پس منظر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد . فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o وَ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارِ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شهداء o وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ مَقَامٍ آخر ان يخشى اللّٰهُ مِنْ عبادِهِ العلماء o وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ مَقَامٍ اٰخرْ يرفع الله الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوْ الْعِلْم دَرَجٰت o سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

ظاہری اور باطنی علوم کا سنگم:

علمائے کرام کے اس اجتماع میں اپنے اسلاف سے متعلق باتیں کرنے کا ارادہ ہے۔ جس طرح ہمارا روحانی رشتہ سینہ بہ سینہ نبی علیہ السلام تک پہنچتا ہے اور شجرہ کہلاتا ہے اسی طرح ہمارا علمی تسلسل بھی ہے جو اکابرین علمائے دیوبند سے ہوتا ہوا نبی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ہمارے اکابرین علمائے دیوبند علمی اور روحانی دونوں نسبتوں کے حامل کامل تھے۔ جب درس حدیث دینے بیٹھتے تو عسقلانی اور قسطلانی نظر آ رہے ہوتے تھے اور جب کبھی مسند ارشاد پر بیٹھتے تھے تو جنید اور بایزید نظر آتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو دونوں علوم سے نوازا

تھا۔ وہ حقیقت میں ''مرج البحرین'' تھے۔ وہ ظاہری علوم اور باطنی علوم کا سنگم تھے۔ ان کی قربانیوں کی وجہ سے انگریز کے دور میں بھی دین محفوظ رہا ہے۔ اسی بنا پر ہم آج اس دین پر عمل کرنے کے قابل ہیں۔

علمی ورثہ کی حفاظت:

دنیا کے دوسرے ممالک کو دیکھئے البانیہ، بوسنیا اور کوسووا جہاں پر غیر مسلموں نے غلبہ کیا وہاں مسلمانوں کی زندگیوں میں سے علم بالکل ختم ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں لوگوں کو کلمہ پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ جب کہ اس برصغیر میں انگریز کی دو سو سال کی حکومت بھی ہم سے علمی ورثہ نہ چھین سکی۔ یہ دین والی نعمت باقی رہی اور الحمدللہ آج ہم اس دین کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔

فرنگی تہذیب کے خلاف کاروائیاں:

یہ حفاظت بھلا کیسے ہوئی؟ اس کے پیچھے لاکھوں علما کی قربانیاں موجود ہیں۔ کچھ عشاق تو وہ تھے جو جان کے نذرانے پیش کر گئے اور کچھ وہ تھے کہ جنہوں نے فرنگی تہذیب کے خلاف زندگی گزار کر یا پابند سلاسل ہو کر مشکلات میں زندگی گزاری مگر دین کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ چٹائیوں پر بیٹھنے والے ان حضرات نے اپنے لئے بھی غربت برداشت کی اور اپنی اولاد کے لئے بھی مگر دین کی حفاظت کر گئے۔ ہر طالبعلم کو اپنے اسلاف کی اس تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے۔ علما حضرات تو پہلے ہی جانتے ہیں تاہم اپنا سبق یاد کرنے کی خاطر یہ عاجز آج اپنے ان اسلاف کی باتیں عرض کرے گا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد:

1601 عیسوی میں انگریزوں کا ایک قافلہ واسکوڈے گاما کی سربراہی میں

بمبئی کے ساحل پر اترا اور اس نے مغل بادشاہوں سے کہا کہ ہم یہاں پر تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی مادی ترقی نے وقت کے حکمرانوں کو بڑا متاثر کیا۔ چنانچہ انہوں نے دل کھول کر ان کو خوش آمدید کہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام پر ایک فرم بنی۔ جس کے دفاتر مختلف علاقوں میں کھولے گئے۔ 100 سال کے عرصے میں اس کی تجارت اتنی چمکی کہ اکثر و بیشتر تجارتی معاملات اس کی مٹھی میں آ گئے۔

انتظامی امور اور مداخلت:

جب انگریز نے دیکھا کہ تجارت پر اس نے قابو پا لیا ہے تو اس نے انتظامی امور میں بھی عمل دخل شروع کر دیا۔ چنانچہ 1701ء تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرچم لہرا رہے تھے۔ انگریز چھوٹے چھوٹے علاقوں کا نظام اپنے ہاتھ میں لے رہا تھا۔ ظاہر میں تجارت تھی لیکن اندر نیت یہ تھی کہ ہم نے بالآخر اس ملک پر قابض ہونا ہے۔ فرنگی ان کاموں کو اتنی چالاکی، عیاری اور ہوشیاری سے کر رہا تھا کہ وقت کے حکمرانوں نے اس کا ادراک نہ کیا۔ 1740ء تک انگریز چار مختلف صوبوں کا گورنر بن چکا تھا۔ قدرت کے کچھ فیصلے ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت:

ایک طرف فرنگی کوششیں اتنی زیادہ ہو رہی تھیں تو رب کریم نے دوسری طرف ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ایک بندے کو پیدا کیا۔ چنانچہ دہلی کے ایک بزرگ عالم شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک بیٹا ہوا۔ جن کا نام انہوں نے ولی اللہ رکھا۔ 1702ء میں شاہ ولی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ انگریزوں کے اس ملک میں آنے کے پورے ایک سو سال بعد

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

اکتساب علم:

جب اپنی جوانی کی عمر کو پہنچے تو مقامی علما سے جو علم حاصل کرنا تھا وہ حاصل کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں شیخ ابو طاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا۔ شاہ ولی اللہ وہ عالم دین ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جن کی کتابیں ''حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ، فیوض الحرمین'' اکثر علما کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ انہوں نے حرمین شریفین سے واپس ہندوستان آ کر باقاعدہ دین کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے:

اللہ رب العزت نے انہیں فرزند ارجمند عطا کئے۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ سب آفتاب اور ماہتاب تھے۔ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق تھے۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ 1762ء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ہوئی۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ:

اس کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ان کی مسند پر بیٹھے۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے فراست مومنانہ عطا کی تھی۔ ...... اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ...... انہوں نے محسوس کر لیا کہ فرنگیوں کے ارادے خطرناک ہیں۔ یہ ہم سے فقط ہماری دنیا ہی نہیں لینا چاہتے بلکہ ہمارا دین بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ 1772ء میں شاہ عبد العزیز

رحمۃ اللہ نے فرنگیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا کہ ان کو ملک سے نکالو اور آزادی حاصل کرو کیونکہ یہ مسلمانوں کے اوپر فرض ہو چکا ہے۔

فتویٰ کا نتیجہ:

چنانچہ 1772ء کے اس فتوے کے بعد جتنی بھی آزادی کی تحریکیں چلیں وہ دراصل اس فتویٰ کا نتیجہ تھا۔ تحریک ریشمی رومال، جنگ آزادی، تحریک ترک موالات اور تحریک بالاکوٹ یا اس طرح کی جتنی بھی کوششیں تھے وہ سب کی سب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے فتویٰ کا نتیجہ تھیں۔ مسلمانوں کے اندر ایک شعور پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ فرنگی لوگ فقط اپنی تجارت ہی نہیں چمکانا چاہتے بلکہ اپنی تہذیب کو بھی یہاں پر ٹھونس کر اپنا طرز زندگی بھی دینا چاہتے ہیں۔ اس شعور کے پیدا ہونے کے بعد دوسرے علمائے کرام نے بھی اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ہمیں فرنگی سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

معرکہء سرنگا پٹم:

چنانچہ 1792ء میں سرنگا پٹم میں حیدر علی کے بیٹے سلطان ٹیپو نے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی۔ یہ دل میں دین کا درد رکھنے والا بندہ تھا۔ وہ اپنے کئی فوجیوں کو لے کر انگریز کے ساتھ نبرد آزما ہوا مگر اس کی فوج کے اندر ایک منافق بھی تھا جس کا نام میر صادق تھا۔ انگریزوں نے میر صادق کو 900 مربع زمین دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ میر صادق کی منافقت کی وجہ سے سلطان ٹیپو کو شہادت نصیب ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب نہ ہو سکی۔

جنگ پلاسی:

جب انگریزوں نے میسور پر قبضہ کر لیا تو وہ بڑے مطمئن ہوئے کہ چلو مسئلہ

حل ہو گیا۔ مگر اس کے کچھ عرصہ بعد نواب سراج الدین الدولہ نے انگریز کے ساتھ پلاسی کی جنگ لڑی۔ اس کی فوج میں بھی ایک منافق تھا جس کا نام میر جعفر تھا۔ اس کو انگریز نے حسب عادت مال و دولت کا لالچ دیا تو اس نے سارے راز ان کو بتلا دیئے۔ چنانچہ 22 گھنٹے کے اندر یہ جنگ پلاسی بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچی اور انگریز اس میں بھی غالب رہا۔

رنجیت سنگھ کی تعیناتی:

جب انگریز نے میسور اور پلاسی کی یہ جنگیں جیت لیں تو اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ تحریکیں کیوں کھڑی ہو رہی ہیں، ان کا کچھ پکا بندوبست کرنا چاہئے تاکہ آئندہ ہمارے خلاف کوئی تحریک کھڑی ہی نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے اوپر اپنا شکنجہ کسنا شروع کر دیا۔ لیکن اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر میں مسلمانوں پر بلا واسطہ مظالم ڈھاؤں گا تو وہ انگریزوں کے اور زیادہ مخالف بن جائیں گے۔ چنانچہ 1824ء میں اس نے رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا دیا۔

رنجیت سنگھ کے مظالم:

رنجیت سنگھ نے انگریز کے اشارے پر مسلمانوں کا وہ برا حشر کیا کہ جس کو پڑھ کر انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ علما کو قتل کیا، مسلمانوں کی عورتوں کو بے آبرو کیا، ان کی جائیدادیں اور املاک کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ جس طرح سے بھی وہ مسلمانوں کو پریشان کر سکتا تھا اس نے کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔ 2 سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد:

بالآخر دل میں دین کا درد رکھنے والے ایک بزرگ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اب کسی نہ کسی کو قربانی دینا ہوگی تا کہ مسلمانوں کو ان مصیبتوں سے نجات مل سکے۔ لہٰذا وہ اور ان کے شاگرد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جن کے ساتھ تقریباً 900 کے قریب مجاہدین اور 100,00 مریدین تھے۔ انہوں نے انگریز کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور درہ خیبر کے راستے پشاور کے اندر داخل ہوئے۔ پہلے حملے میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کو فتح کر لیا۔

شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد:

اس کے بعد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کے چوک میں کھڑے ہو کر شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا، شراب کی بندش کا اعلان کیا۔ یہ یکم مئی اتوار کا دن تھا۔۔۔ عجیب بات یہ ہے کہ 1972ء میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ جو انہی کے روحانی فرزند تھے جب اللہ رب العزت نے ان کو وہاں کا چیف منسٹر بنایا تو انہوں نے بھی پشاور کی اسی جگہ پر شراب کی بندش کا اعلان کیا۔ وہ بھی یکم مئی اور اتوار کا دن تھا۔۔۔ پشاور پر فتح حاصل کرنے کے بعد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قافلہ آگے بڑھا۔ شنکیاری اور اکوڑہ خٹک کو فتح کرتے ہوئے بالا کوٹ کی طرف بڑھا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا دوٹوک جواب:

پنجاب کے گورنر رنجیت سنگھ نے پیغام بھیجا کہ اٹک سے ادھر کا علاقہ تم سنبھالو اور ادھر کا علاقہ ہم سنبھالتے ہیں۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے

زمین کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے لوگوں کے دین کی ضرورت ہے۔ میں تو دین کی حفاظت کے لئے یہ قدم اٹھا چکا ہوں۔ میں اپنے قدم بڑھاؤں گا یا تو مجھے فتح نصیب ہوگی یا پھر مجھے شہادت نصیب ہوگی۔

دو جرنیلوں کی شہادت:

چنانچہ انگریز کے ایما پر رنجیت سنگھ اپنی فوج لے کر وہاں مقابلے کے لئے آ گیا۔ بالاکوٹ کے قریب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ انگریز نے مقامی دیہاتیوں کو لالچ دے کر ان سے معلومات حاصل کیں اور تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا۔ 5 مئی کو سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی شہادت ہوئی تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پھر انگریز سے جنگ کرنی شروع کر دی۔ چار دن یہ معرکہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ 9 مئی کو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی قبور آج بھی بالاکوٹ میں موجود ہیں۔

شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت:

تاریخ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے تو ایک سکھ نے نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہیا ور دوسرے نے ان کے اوپر تلوار تان لی۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں عشق رسالت کی ایسی کیفیت تھی کہ آپ ان نازیبا الفاظ کو سن کر تڑپ اٹھے اور آپ نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میں تیرا کام تمام نہیں کرلوں گا۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کے اوپر خنجر لہرایا مگر دوسرے سکھ نے آپ پر تلوار کا وار کیا آپ کا سر آپ کے تن سے جدا ہو

کر گر گیا۔ عجیب بات ہے کہ بدن چونکہ حرکت میں آ چکا تھا اور ہاتھ میں خنجر تھا لہٰذا بدن بغیر سر کے اس کے پیچھے بھاگتا رہا۔ جب سکھ نے دیکھا کہ بغیر سر کے یہ بدن میری طرف بھاگ رہا ہے تو وہ ڈر کے مارے پیچھے گرا۔ آپ اس کے اوپر گرے اور آپ کا خنجر اس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس طرح آپ کی قسم اللہ رب العزت نے پوری فرما دی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے ہاں ان کا وہ مقام ہوتا ہے کہ جب وہ قسم کھا لیا کرتے ہیں تو اللہ رب العزت ان کی قسم کو پورا کر دیا کرتے ہیں۔ لو اقسم علی اللہ لابرہ۔

شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی کتب:

چنانچہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اور ''منصب امامت'' آپ کے یقین کامل کی نشانیاں ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام ''سلک نور'' اب چھپ چکا ہے اور آپ کے دل میں جو عشق رسول ﷺ تھا اس کا اندازہ اس نعتیہ کلام کو پڑھ کر ہوتا ہے۔

انگریز کے خلاف علمائے دیوبند کا مشورہ:

جب انگریز اس میدان میں بھی غالب آ گیا تو بقیہ علما نے **1856**ء میں آپس میں مشورہ کیا کہ انگریز کے خلاف ہمیں کوئی اور قدم اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ اس میں مولانا جعفر تھانیسری، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی وغیرھم حضرات موجود تھے۔ مشورے میں یہ بات آئی کہ ہماری افرادی قوت بہت کم ہے، ہم انگریز کے خلاف کیسے لڑ سکتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ

اللہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیا ہماری تعداد غازیان بدر سے بھی تھوڑی ہے؟ آپ کے ان الفاظ سے دوسرے علما کے اندر بھی شہادت کا جذبہ جاگ اٹھا چونکہ یہ 313 کی تعداد سے تو زیادہ تھے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ جو مرضی ہو ہمیں انگریز کے خلاف جہاد کرنا ہے۔

جنگ آزادی:

سال بھر اس مشورہ پر عمل درآمد کی تیاری ہوتی رہی۔ چنانچہ 1857ء میں جنگ آزادی لڑی گئی۔ اس کے دو محاذ بنائے گئے ایک محاذ انبالہ میں جس کے قائد مولانا جعفر تھانیسری تھے اور دوسرا محاذ شاملی میں جس کے سپہ سالار حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تھے۔ مقابلہ ہوا حافظ ضامن رحمۃ اللہ کو شہادت بھی ملی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کو زخم بھی آئے چونکہ انگریز تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ اس لئے انگریز کا پلہ بھاری رہا اور علما کو پھر بھی فتح نصیب نہ ہو سکی

ے شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

تین بڑی رکاوٹیں:

جب یہ مختلف واقعات پیش آئے تو وائسرائے سے برطانیہ کے حکمران نے یہ پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ کچھ دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی وجوبات بتاؤ تا کہ اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے برطانیہ سے اپنے مبصرین اور تجزیہ نگار بلائے جنہوں نے آکر حالات کا جائزہ لیا اور کہا کہ اس وقت تک تحریکیں اٹھتی رہیں گی جب تک ان تین چیزوں کو ختم نہ کر دیا جائے۔

- سب سے پہلے قرآن مجید کو ختم کرنا چاہئے۔
- علمائے کرام کو ختم کرنا چاہئے۔
- جذبہ جہاد کو ختم کرنا چاہئے۔

یہ تین باتیں لب لباب تھیں۔

علمائے کرام کا قتل عام:

چنانچہ انگریز نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا تین سال کے اندر قرآن پاک کے تین لاکھ نسخے نذر آتش کر دیئے اور 14000 علمائے کرام کو پھانسی دی گئی۔

تھامسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ دہلی سے لے کر پشاور تک جرنیلی سڑک کے دونوں طرف کوئی بڑا درخت ایسا نہیں تھا جس پر کسی عالم کی لاش لٹکتی نظر نہ آ رہی ہو۔ بادشاہی مسجد میں پھانسی کا پھندہ لٹکایا گیا اور دیگر مسجدوں کے اندر علمائے کرام کو پھانسی دی گئی۔

تھامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ میں دہلی گیا تو کیمپ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے وہاں انسانی گوشت کے جلنے کی بدبو محسوس ہوئی۔ میں پریشان ہو کر اٹھا کہ یہ کیا معاملہ ہے جب کیمپ کے پیچھے جا کر دیکھا تو کچھ انگریزوں نے انگارے جلائے ہوئے تھے اور چالیس علما کو بے لباس کر کے ان انگاروں کے پاس کھڑا کیا ہوا تھا اور انہیں یہ کہا جا رہا تھا کہ تم ہمیشہ کے لئے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو نہیں تو تمہیں انگاروں پر لٹا دیں گے۔ انہوں نے انکار کیا تو چالیس علما کو انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ یہ ان کے گوشت جلنے کی بدبو تھی جو خیموں میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اسی طرح چالیس علما شہید ہو گئے۔ تو پھر چالیس اور علما

کو بھی اسی طرح اوپر لٹایا گیا۔

مولانا احمد اللہ گجراتی کا جواب:

مولانا احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے۔ایک انگریز نے ان سے کچھ عربی سیکھی تھی وہ انگریز اس وقت ان لوگوں میں سے تھا جو مسلمان علما کو پھانسی دے رہے تھے۔ اس نے مولانا احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ میرے استاد ہیں آپ صرف زبان سے کہہ دیں کہ میں اس تحریک آزادی میں شریک نہ تھا۔ میں آپ کا نام پھانسی دینے والوں میں سے نکال دوں گا۔ احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں یہ بات کر کے اللہ رب العزت کے دفتر سے نام نکلوانا نہیں چاہتا۔ سبحان اللہ،۔تو ان حضرات نے اپنی جان کے نذرانے تو پیش کر دیئے مگر انگریز کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہوئے۔

ظلم کی انتہا:

مولانا تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب:''تاریخ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ ہم کئی علما تھے جن کو گرفتار کر کے امرتسر جیل میں رکھا گیا پھر فیصلہ کیا گیا کہ ان کو لاہور بھیج دیا جائے۔ جب لاہور بھیج دیا گیا تو یہاں کے حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو سزا دی جائے تاکہ ان کی وجہ سے دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ وہاں کا انگریز حکمران اتنا ظالم تھا کہ اس نے لوہے کے پنجرے بنوائے جن کے چاروں طرف اس نے لوہے کی کیلیں لگوائیں اور اس کے اندر جگہ اتنی تھوڑی تھی کہ اس میں ایک آدمی فقط بیٹھ سکتا تھا۔ جب آدمی اندر بیٹھتا تو اس کی چاروں طرف کیلیں ہوتیں۔ علمائے کرام کو ان پنجروں کے اندر بند کر کے ریل کے ڈبے میں ان پنجروں کو رکھ دیا گیا۔ اس طرح ان کو لاہور سے ملتان پہنچایا گیا۔

فرماتے ہیں کہ ریل کے ڈبے کو جھٹکے لگتے تو ہم کبھی ادھر گرتے کبھی ادھر گرتے تو ہمارے کبھی اس طرف کیلیں چبھتیں اور کبھی اس طرف۔ جسم کے چاروں طرف کیلوں کی وجہ سے زخم بن گئے جن میں سے خون جاری رہتا۔

تین مہینے کے اندر ہمیں لاہور سے ملتان پہنچایا گیا۔ کئی کئی ہفتے یہ بوگیاں کھڑی رہتیں اور ہماری پرواہی نہ کی جاتی ہم گرمی میں پسینے کی وجہ سے پریشان ہوتے۔ کبھی گرمی میں پیاس کی شدت کی وجہ سے تڑپتے اور کبھی اپنے زخموں کی وجہ سے پریشان ہوتے۔ لگانے کے لئے مرہم بھی کوئی نہیں ہوتی تھی اور ہمیں اتنی تکلیف میں رکھا گیا کہ ہم اس کی حقیقت الفاظ میں بیان ہی نہیں کر سکتے۔

تین مہینے ان کیلوں والے پنجروں میں رہ کر آخر ہم ملتان پہنچے وہاں ہمیں انگریز نے نکالا اور بتا دیا کہ ہمارے لئے پھانسی کا حکم ہو چکا ہے۔ جب ہم نے پھانسی کا حکم سنا تو ہمارے چہروں کے اوپر تازگی آ گئی کہ الحمدللہ اب منزل قریب ہے۔

اگلے دن جب انگریز آیا تو اس نے دیکھا کہ علمائے کرام کے چہروں پر بڑی تازگی، بڑی رونق اور بڑا اطمینان ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے آج تمہارے چہرے بڑے پرسکون نظر آ رہے ہیں۔ ایک عالم نے کہا، اس لئے کہ ہماری شہادت کا وقت قریب ہے۔ جب انگریز نے یہ سنا تو وہ سوچنے لگ گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے افسر سے رابطہ کیا کہ ان کو پھانسی دیں گے تو اس پر یہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور ہم ان علما کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کو ساری عمر کے لئے کالا پانی کے اندر نظر بند کیا جائے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ پھانسی کا فیصلہ واپس لیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر لکھا

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

کہ اگر شہادت نصیب ہو جاتی تو رہائی ہو جاتی۔ سبحان اللہ، شہادت کی خاطر کتنا تڑپنے والے لوگ تھے۔

جذبہء جہاد ختم کرنے کی ناکام کوشش:

چنانچہ انگریز نے علما کو پھانسی دینے کے بعد تیسرا کام یہ کیا کہ اس ملک کے اندر کچھ ایسے فرقے دین کے نام پر پیدا کئے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ انگریز کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے۔ اس تاریخ کے پس منظر میں یہ سب باتیں سمجھنی آسان ہو جائیں گی کہ انگریز کا ساتھ دینے والے کون تھے؟ یعنی میر جعفر اور میر صادق کون تھے جنہیں مربعے الاٹ ہوگئے۔ آپ کو بڑے بڑے زمیندار ملیں گے جن کی تاریخ انگریزوں تک ملے گی اور جو حضرات قربانیاں دینے والے ملیں گے ان کی تاریخ ہمارے اسلاف کے ساتھ جا کر ملے گی چنانچہ انگریز نے ان تینوں باتوں پر عمل درآمد کیا۔ قرآن مجید کے نسخے ضائع کئے، علمائے کرام کو شہید کیا اور اس امت سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی حرمت پر فتوے جاری کروائے۔

دس ہزار مدارس بند:

مختلف مدارس اس وقت وقف کی جائیداد سے چلا کرتے تھے۔ چنانچہ انگریز نے وقف کی تمام املاک کو اپنے قبضے میں لے لیا اور یوں گویا مدارس کی شہ رگ کو کاٹ دیا گیا۔ چنانچہ فقط دہلی شہر میں ایک ہزار مدارس بند ہو گئے۔ بڑے بڑے مدارس کی تعداد دس ہزار تھی جن کو بند کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ رحیمیہ پر بلڈوزر پھیر دیا گیا۔ اور بالکل

برابر کر دیا گیا۔ انگریز اپنی طرف سے پورا بندوبست کر چکا تھا۔ اس میں اس کو کئی سال لگے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام:

1861ء میں پھر اللہ کے ایک مقبول بندے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں سے ان کی دنیا تو چھین لی گئی، یہ کوئی اتنا بڑا نقصان نہیں ہے لیکن مسلمانوں سے تو اب ان کا دین چھینا جا رہا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے لہٰذا اس کی تلافی کی کوئی صورت ہونی چاہئے۔ ان کے سسرال دیوبند میں تھے اور یہ چھوٹی سے بستی تھی۔ چنانچہ 1867ء میں انہوں نے اس چھوٹی سے بستی میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ چھوٹی بستی کو اس لئے منتخب کیا کہ بڑے شہر کی سرگرمیاں حکومت وقت کی نظر میں فوراً آ جاتی ہیں، چھوٹی بستی سے کام شروع کریں گے تو کسی کی نظر میں ہی نہیں آئیں گے۔ واقعی ان کی بات سچی نکلی۔ 1867ء میں جب انہوں نے یہ کام شروع کیا تو 30 مئی کا دن تھا اور پندرہ محرم الحرام کی تاریخ بنتی تھی جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد، پڑھانے والے کا نام ملا محمود رحمۃ اللہ علیہ اور پڑھنے والے کا نام محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ پہلا قدم جو اٹھایا گیا ہے بالآخر اس نے کتنا بڑا علمی مرکز بننا ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کے دلوں کو علمی معارف سے سیراب کرنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا جب سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں آج دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد ایک ایسی ہستی سے رکھواؤں گا جس نے اپنی زندگی میں کبیرہ گناہ تو کیا کرنا،

دل میں کبھی کبیرہ گناہ کرنے کا مصمم ارادہ بھی نہیں کیا۔

شاہ حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

مولانا اصغر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں شاہ حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ منے شاہ کے نام کے مشہور تھے۔ ان کا قد دیکھنے میں اتنا بڑا نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا تھا۔ وہ گھاس کاٹتے اور بیچ کر اپنی زندگی گزارتے تھے۔ وہ تھوڑے پیسے روزانہ بچاتے رہتے۔ پورے سال میں ان کے پاس اتنے پیسے جمع ہو جاتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ کی ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں دعوت کرتے تھے۔ اساتذہ لکھتے ہیں کہ ہم سارا سال ان کی دعوت کے منتظر رہتے کیونکہ جس دن ہم ان کے گھر کا کھانا کھاتے تھے چالیس دن تک ہمیں اپنی نمازوں کی حضوری میں اضافہ محسوس ہوتا تھا۔ ایسے پرہیزگار انسان نے دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا۔

عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ اخلاص کا ایسا تاج محل بنا دیا کہ دنیا میں کوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ وہ پاکیزہ ہستیاں ہیں جن کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی اینٹ میں اتنی برکت پیدا ہوئی کہ اس دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی یونیورسٹی بنایا کہ آج مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب غرض ہر طرف دارالعلوم دیوبند کا فیض نظر آتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض:

اللہ رب العزت نے اس عاجز کو دین کی نسبت سے دنیا کے چالیس سے زیادہ ملکوں میں سفر کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ اس جگہ بھی گئے جہاں چھ مہینے دن

اور چھ مہینے رات ہوتی ہے، سائبیریا میں بھی گئے جہاں ہر طرف یخ بستہ ہوائیں اور برف ہی برف نظر آئی، ہم نے برف پر نمازیں پڑھیں، ایسی جگہ بھی دیکھی جس کو End of the world (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں۔ حکومت نے یہ بات وہاں لکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ جون کے مہینے میں ایک ایسا دن آتا ہے جب وہاں پر تقریباً ایک لاکھ سیاح اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایک دلچسپ منظر یہ ہوتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے لئے سمندر کے پانی کے قریب آتا ہے اور غروب ہونے کی بجائے دوبارہ طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کے سائنسدان اس جگہ کو دنیا کا آخری کنارہ کہتے ہیں۔ افریقہ کے جنگل بھی دیکھے اور امریکہ کی دنیا بھی دیکھی، لیکن ایک بات عرض کردوں کہ یہ عاجز جہاں بھی گیا، آبادی تھی یا جنگل تھا، پہاڑوں کی چوٹیاں تھیں یا زمین کی پستیاں تھیں، وہاں پر دارالعلوم دیوبند کا کوئی نہ کوئی روحانی فرزند بیٹھا دین کا کام کرتا نظر آیا۔ دارالعلوم دیوبند کو اتنی قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔

جبالِ علم:

الحمدللہ یہ قبولیت عنداللہ ہے۔ کہ دنیا کے کونے کونے میں اس مادرِ علمی کے روحانی فرزند بیٹھے ہوئے دین کا کام کر رہے ہیں اور لوگوں کے سینوں کو نور سے بھر رہے ہیں۔ بہر حال علما دیوبند نے علمی کام جو شروع کیا تو یہاں سے نکلنے والے طلبا جبال علم بن گئے۔ ایک ایک طالبعلم ایسا تھا کہ جو اپنے وقت کا آفتاب اور ماہتاب ثابت ہوا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتی کہ حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلاف کے اس علمی و عملی تسلسل کو جاری رکھا۔ انگریز کے خلاف جہاد کی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

دارالعلوم دیوبند بمقابلہ علی گڑھ کالج:

مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد تھے۔ ایک کا نام تھا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور ایک کا نام تھا احمد خان جو سرسید احمد خان کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں اس نے ایک کالج کی بنیاد رکھی۔ علی گڑھ میں اسی نے انگریزی زبان سکھانے کو زیادہ ترجیح دی جب کہ دارالعلوم دیوبند میں خالصتاً دینی علوم کو پڑھانے پر زیادہ توجہ دی گئی۔ تو یہ دونوں بڑی درسگاہیں اس وقت کی تھیں۔ علی گڑھ نے کلرک پیدا کئے لیکن دیوبند نے محدثین ومفسرین پیدا کئے اور منبر ومحراب کو سلامت رکھا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علی گڑھ آمد:

1920ء میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں جا کر اپنے اسلاف کی اس تاریخ کو بیان کیا۔ اس کو سن کر علی گڑھ کے طلبا میں دین کا درد پیدا ہوا اور اس کے بعد پھر وہاں سے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شوکت علی اور شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ یہ اصل میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جذبہ جہاد تھا جس نے طلبا کے دلوں کو سوز عشق سے بھر دیا تھا۔ جب آپ نے تقریر کر لی تو چند طالبعلموں نے ایک سوال پوچھا کہ آپ انگریز کے ساتھ صلح کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک عجیب شعر پڑھا

ہائے یہ صرف تمنا کی زبان سے دوریاں
اس قدر یہ سختیاں دشواریاں مجبوریاں

یاد ایام جفا آخر بھلائیں کس طرح
دل فرنگی سے لگائیں تو لگائیں کس طرح

اس کے بعد ان طلبا کو پتہ چلا کہ ہمارے راستے جدا ہیں ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا ہونا مشکل ہے۔ انکا دین اور ہے اور ہمارا دین اور ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی فیض:

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت کا علمی فیض بہت زیادہ تھا۔ شاہ جہان پور میں ایک مباحثہ ہوا کرتا تھا جس میں ہندو اور عیسائی سب مذاہب کے لوگ آتے تھے۔ حضرت نے وہاں جا کر اسلام کے عنوان پر بیان کیا۔ حتیٰ کے غیر مسلموں کو لاجواب کر دیا۔ آج کل مباحثہ شاہ جہاں پور کے نام سے بازاروں میں چھوٹا سا پمفلٹ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فلسفہ اور منطق کا وہ علم دیا تھا کہ کوئی ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

شورش کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار عقیدت:

شورش نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا

شافع کون و مکان کی راہ دکھلاتا رہا
گمرہان شرک کو توحید سکھلاتا رہا
اس صدی میں عصر حاضر کا فقیہہ بے مثال
سنت خیرالورا کے زمزمے گاتا رہا
پرچم اسلام ابر درخشاں کے روپ میں
بتکدوں کی چاردیواری پہ لہراتا رہا

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تھا کہ ان کا نعتیہ کلام پڑھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کی شان میں عجیب اشعار لکھتے ہیں

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقش روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نور سے مانگ کر روشنی
بزم کون و مکاں کو سجایا گیا
وہ محمد بھی احمد بھی محمود بھی
حسن فطرت کا شاہد بھی مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی
ظاہراً امیوں میں اٹھایا گیا

نبی علیہ السلام کی شان میں عجیب اشعار کہا کرتے تھے۔ حج پر حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے۔ نازک بدن تھے کسی نے کہا، حضرت! آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں گے۔ فرمایا، ہاں میں نے جوتے اس لئے اتار دیئے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ جس جگہ پر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم لگے ہوں قاسم نانوتوی کا جوتوں والا پاؤں عین اسی جگہ پر پڑ جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں نام میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

سبحان اللہ، عشق رسول ﷺ سے ان کا دل بھرا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ روضہ انور پر تشریف لے گئے تو وہاں جا کر عجیب شعر کہے

دمکتا رہے تیرے روضے کا منظر
چمکتی رہے تیرے روضے کی جالی
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذب ابوذرؓ
ہمیں بھی عطا ہو وہ روح بلالیؓ

ایک مرتبہ آپ کو حجرہ مبارک کے اندر جانے کا موقع ملا جب حجرہ مبارک کے اندر گئے تو واپسی پر آپ کے اوپر ایک عجیب کیفیت تھی۔ لوگوں نے دیکھا کہ بڑا پُر انوار چہرہ اور عجیب کیفیت ہے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ حضرت! اندر کیفیت کیا تھی؟ تو حضرت نے اشعار میں جواب دے دیا۔ فرمایا

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم تھا
بھر دیا میرا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ تھا
نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

جب مدینہ طیبہ سے واپس ہونے لگے اور آخری وقت آپ نے روضہ انور پر نظر ڈالی تو اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی محبت ان کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔

اتباع سنت:

نبی علیہ السلام کی اس محبت کی وجہ سے ایک ایک سنت پر ان کا عمل تھا۔ ایک

مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی موت کے وارنٹ جاری کر دیئے گئے۔ جب پتہ چلا تو آپ روپوش ہو گئے۔ روپوش ہونے کے پورے 3 دن بعد آپ باہر نکل آئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! انگریز آپ کو ڈھونڈ رہا ہے اور آپ کی موت کے وارنٹ جاری ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے آقا کی زندگی پر غور کیا مجھے غار ثور میں روپوشی کے تین دن نظر آتے ہیں۔ لہٰذا میں بھی تین دن غائب رہا۔ اس کے بعد باہر نکل آیا ہوں۔ انگریز اگر پکڑ لیں گے تو میں اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے سپرد کر جاؤں گا۔ سنت کا اتنا لحاظ اور خیال رکھا کرتے تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس دارالعلوم دیوبند کے دوسرے سپوت تھے۔ اپنے وقت کے بے مثال فقیہہ تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ اکثر علما کی نظروں سے گزرتا رہتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کو قطب الارشاد بنا دیا۔ چالیس سال تک حدیث پاک کا درس دیا اور اتنی محبت کے ساتھ درس دیا کہ ایک مرتبہ طلبا کو درس حدیث پڑھا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہو گئی۔ طلبا نے فوراً اپنی کتابیں بغل میں دبائیں اور اپنے کمروں کی طرف بھاگے۔ ان کے جوتے وہیں رہ گئے۔ حضرت نے اپنے رومال کو وہیں بچھایا اور ان طلبا کے جوتے اس رومال کے اندر رکھے، گٹھڑی بنائی اور اپنے سر پر اٹھا کر کمرے میں لے آئے۔ جب طلبا نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ کہنے لگے، حضرت! آپ ہمارے جوتے اٹھا کر لے آئے۔ ہم خود اٹھا لیتے۔ آپ نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہیں میں ان کے جوتے نہیں اٹھاؤں گا تو پھر اور کیا کروں گا۔ اندازہ لگایئے کہ ان حضرات کو نبی کریم

ﷺ کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

کسی نے مسجد نبوی کی تھوڑی سی مٹی لا کر دی اور کہا کہ حجرے کی صفائی کرتے ہوئے میں یہ مٹی لے کر آیا ہوں تو آپ نے اس کو اپنی سرمہ کی شیشی میں ڈال دیا۔ فرمایا، اچھا اگر یہ روضہ انور کی مٹی ہے تو ہم اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیں گے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کی چند کھجوریں ملیں۔ آپ نے شاگرد سے کہا کہ میرے جتنے دوست ہیں ان کی فہرست بناؤ۔ اور ان کھجوروں کے اتنے حصے کرو تا کہ سب کو ہدیہ بھیجیں۔ اس نے کہا حضرت! یہ کھجور کا ٹکڑا تو بہت ہی چھوٹا ہے۔ فرمایا، اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں تجھ سے بولنا چھوڑ دیتا۔ اس لئے کہ مدینہ کی کھجور کے ٹکڑے کو تو نے چھوٹا کہہ دیا۔ یہ چھوٹے کا لفظ ہی استعمال کیوں کیا۔ اتنی محبت تھی۔ چنانچہ جب کھجور کھا لیتے تو گٹھلی کو پیس کر اس کا برادہ منہ میں لے کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ تا کہ وہ بھی جزو بدن بن جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور خوفِ خدا:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وہ دارالعلوم دیوبند کے تیسرے سپوت تھے جنہوں نے انگریز کے خلاف آزادی حاصل کرنے کے لئے بہت نمایاں کام کیا۔ ان کے بارے میں شورش کشمیری لکھتے ہیں

گردش دوراں کی سنگینی سے ٹکراتا رہا
مالٹا میں نغمہ مہر و وفا گاتا رہا

مالٹا میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ پابند سلاسل رہے۔ ان کے کچھ اور شاگرد حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عزیز گل وغیرہ بھی ساتھ تھے۔

انگریز نے ان پر بہت سختیاں کیں۔ مگر یہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

ایک عجیب واقعہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب انگریز نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کو پھانسی دے دی جائے تو یہ اطلاع ملنے کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر بہت گریہ طاری رہتا تھا۔ آپ نے بہت زیادہ رونا شروع کر دیا۔ آپ کے شاگرد حیران ہوتے کہ ہمیں پھانسی کا حکم ہوگیا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے لیکن جب اپنے شیخ کو دیکھتے تو وہ خوب کثرت کے ساتھ روتے اور گریہ و بکا صبح و شام کرتے نظر آتے ہیں۔ دل اتنا نرم ہو چکا تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگ جاتے حتیٰ کہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ اور حضرت مولانا عزیز گل رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا کہ ہم کسی وقت حضرت کی خدمت میں عرض کریں گے کہ حضرت اتنا رونے کی کیا وجہ ہے۔ اگر پھانسی کا حکم آچکا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے۔ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ ایک موقع پر کھانے سے پہلے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ آج کل بہت زیادہ روتے ہیں، آپ کے اوپر بہت زیادہ گریہ طاری ہوتا ہے آخر کیا وجہ ہے۔ پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے تو یہ تو خوشی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جان کو اپنے راستے میں قبول کر لیں گے۔ یہ تو کوئی ایسی رونے والی بات نہیں ہے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت ان کو ذرا رعب بھری نظروں سے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ ہمارے تو اس وقت پسینے چھوٹ گئے کہ حضرت اتنے جلال سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو میں موت کے خوف سے یا پھانسی کے خوف سے نہیں روتا بلکہ میرے ذہن میں کوئی اور بات ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! پھر کچھ ہمیں بھی بتا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا، میرے دل میں یہ بات آ گئی کہ اللہ رب

العزت بے نیاز ہیں، میں اس کی شان بے نیازی کی وجہ سے روتا ہوں۔ اس لئے کہ کبھی کبھی وہ بندے سے جان بھی لے لیا کرتا ہے اور اس کی جان کو قبول بھی نہیں کیا کرتا۔ میں تو اس لئے روتا ہوں کہ اے اللہ! اگر تو نے جان لینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو میرے مولا! اس کو قبول بھی فرمالینا۔

تشدد کی انتہا:

حکیم اجمل خان آپ کے مریدین میں سے تھا۔ آپ بیمار تھے اور اس کے ہاں علاج معالجہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ وہیں 1920ء میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں سے جنازہ اٹھایا گیا۔ جب ان کو غسل دیا جانے لگا تو غسل دینے والے نے دیکھا کہ آپ کی پشت کے اوپر گہرے زخم کے نشان موجود ہیں۔ ایسی پشت کبھی دیکھی نہیں تھی۔ لوگ پریشان تھے کہ آخر یہ بات کیا تھی۔ کہ آپ کی پشت پر اتنے گہرے گہرے نشان ہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کلکتہ میں تھے۔ وہ بھی وفات کی خبر سن کر وہاں پہنچے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت راز فاش کیا۔ اور کہا کہ اصل میں مالٹا میں ان کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا اور انگریز کہتا کہ تم ہمارے ساتھ وفاداری کا عہد کرو اور ہمارے حق میں فتویٰ دو۔ ورنہ ہم تمہیں آگ کے انگاروں پر لٹائے رکھیں گے۔ حضرت کے خون سے آگ کے انگارے بجھتے، اتنی تکلیف اٹھاتے مگر انگریز سے کہتے رہتے، انگریز! میں کبھی تیرے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتا۔ ارے، میں بلال ؓ کا وارث ہوں، جن کو ریت کے اوپر لٹایا جاتا تھا اور سینے پر چٹانیں رکھ دی جاتی تھیں۔ میں تو خبیب ؓ کا وارث ہوں جن کی کمر کے اوپر زخموں کے

نشانات تھے۔ میں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کے چہرے پر سیاہی مل کے ان کو مدینہ بھر میں پھرایا گیا تھا۔ میں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کا جنازہ جیل سے نکلا تھا۔ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کو ستر کوڑے لگائے گئے تھے۔ میں علمی وارث ہوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی فرزند ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا، بھلا میں تمہاری اس بات کو کیسے قبول کرسکتا ہوں۔ چنانچہ سب تکالیفوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ مگر زبان سے انگریز کے حق میں کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ یہ ان کی قربانیاں تھیں بالآخر انگریز کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ انگریز نے پہلے فیصلہ کیا تھا کہ ان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ پھانسی نہیں دیتے چلو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ انگریز کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے ان کی عزم و استقامت کی وجہ سے ان کو کامیابی عطا فرمادی۔ کتنی عجیب بات کہی

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو ستارہ تو زمین پہ نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

آپ تو سمندر تھے بھلا دریا میں کیسے گر سکتے تھے۔ آپ کے اس عزم و استقامت کو سلام کرنا چاہیے۔ اس وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کو یہ عظمت عطا فرمائی کہ الحمد للہ آپ کا علمی فیض خوب پھیلا۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مادر علمی کے فرزند ارجمند تھے۔

اللہ رب العزت نے ان کو علم کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ ایک ہی وقت میں مفسر بھی تھے، فقیہہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ اللہ رب العزت نے دین کے ہر شعبے میں ان کو بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ زمانہ طالبعلمی سے آپ کے اندر علمی جواہر نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ فارغ التحصیل ہوئے تو دارالعلوم کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ ان طلبا کی دستار بندی کی جائے۔ آپ اپنے چند اور طلبا ساتھیوں کو ساتھ لے کر حضرت شیخ الہند کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ حضرت ہم ایک فریاد لے کر آئے ہیں۔ آپ اسے پورا کر دیجئے۔ پوچھا، کونسی بات ہے؟ عرض کرنے لگے کہ حضرت! ہم نے کتابیں تو مکمل کر لیں، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ کی انتظامیہ ہماری دستار بندی کروانا چاہتی ہے۔ ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں، اگر ہماری دستار بندی کروادی گئی تو دارالعلوم کی بدنامی ہو جائے گی کہ ایسے نالائق طلبا کی دستار بندی کروادی ہے۔ آپ مہربانی فرمایئے اور دستار بندی نہ کروایئے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو جلال آ گیا، فرمایا، اشرف علی! تم اپنے اساتذہ کے سامنے رہتے ہو اس لئے تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آتا، جب ہم نہیں ہوں گے تو پھر تم ہی تم ہو گے۔ اور واقعی وہی ہوا کہ جب یہ اساتذہ فوت ہو گئے تو پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا ڈنکا بجا کرتا تھا۔ سبحان اللہ، تھانہ بھون کی خانقاہ اصلاح کے لئے اپنی مثال آپ تھی۔

کتابوں کی تعداد:

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے اوپر پی ایچ ڈی کی۔ اس نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی 2800 کتابوں کی فہرست بنائی۔ جنہیں آپ نے اپنی زندگی میں خود لکھا یا ہدایات دے کر اپنے شاگردوں سے لکھوائیں۔

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال حافظہ:

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو وہ قوت حافظہ عطا کی تھی کہ اس کی مثال اس قریب کے دور میں کہیں نہیں ملتی۔ مرزائیوں نے بہاولپور میں جب انگریز کی عدالت کے اندر مقدمہ لڑا اس وقت انہوں نے ایک تحریر پیش کی جس تحریر سے ان کے حق میں کوئی بات ثابت ہوتی تھی۔ اس تحریر کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا تھا کہ ان کی بات سچی ہے۔ انگریز جج نے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ تو جو بات کر رہے ہیں اس کی دلیل بھی دے رہے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا، کہ ذرا یہ کتاب مجھے دکھا دیں۔ آپ نے کتاب دیکھی اور فرمایا کہ یہ لوگ دھوکہ دینا چاہتے ہیں، میں دھوکے میں آنے والا نہیں۔ میں نے آج سے 27 سال پہلے یہ کتاب دیکھی تھی۔ اور مجھے عبارت آج بھی یاد ہے۔ انہوں نے درمیان سے ایک سطر کو حذف کر دیا ہے لہٰذا دوسرا نسخہ منگوایا جائے۔ چنانچہ دوسرا نسخہ منگوایا تو اس میں وہ سطر واقعی موجود تھی۔ جس سے مطلب مسلمانوں کے حق میں آتا تھا۔ اور ان مرزائیوں کی دھوکہ دہی بے نقاب ہوگئی۔ لوگ حیران ہوئے کہ 27 سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا متن اس وقت بھی زبان یاد تھا۔ اللہ رب العزت نے بے مثال قوت حافظہ ان کو عطا فرمائی تھی۔

ہندوؤں کا قبول اسلام:

چند ہندو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے ہندوؤں سے کہا کہ تم مسلمان کیوں ہو گئے تو انہوں نے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے یہ چہرہ دیکھ کر اسلام

قبول کرلیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ایسا کمال عطا کیا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ رب العزت نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب بھر دیا تھا۔ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ذی الحجہ کے جب پہلے دس دن آتے تو ان کی طبیعت کے اندر بے قراری آتی۔ چنانچہ ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں جسم یہاں ہوتا مگر دل وہاں ہوتا۔ سارا دن وہیں کے بارے میں سوچتے رہتے حتیٰ کہ دستر خوان پر روٹی کھانے بیٹھتے تو بعض اوقات روٹی کھاتے اٹھ جاتے اور کھڑے ہو کر کہتے، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ کوئی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگ رہا ہوگا، کوئی مقام ابراہیم پر سجدہ ریز ہوگا، تو آپ ان کا تصور ذہن میں لا کر کہتے معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ اس طرح آپ کو کھانا اچھا نہ لگتا، کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔

اللہ رب العزت کو یہ بات پسند آئی تو اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا۔۔۔ ایک مرتبہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ آپ ہندوستان کے ان برگزیدہ علما میں سے ہیں جن کو اٹھارہ سال مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس حدیث دینے کی توفیق نصیب ہوئی۔۔۔ سبحان اللہ۔ وہاں حدیث پڑھاتے ہوئے ادھر گنبد خضراء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے **قال هذا النبی** صلی اللہ علیہ وسلم

جرأت ہو تو ایسی:

اللہ رب العزت نے دل میں جرأت اتنی دی تھی کہ جب دینہ ہال کراچی میں انگریز نے ان کو عدالت کے اندر حاضر کیا تو انگریز نے کہا، کہ حسین احمد!

تمہیں پتہ ہے کہ تم نے ہمارے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، کہ ہاں مجھے پتہ ہے۔ اس نے کہا، کیا پتہ ہے؟ آپ نے اپنے کندھے کی سفید چادر اس کو دکھا دی۔ انگریز نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا، کہ یہ میرا کفن ہے جو میں اپنے کندھے پر لئے پھرتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میری موت کا حکم صادر ہو جائے گا۔ مجھے پھانسی چڑھا دی جائے گی تو مجھے کسی سے اپنا کفن مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔

؎ فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ورثۃ الانبیا ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

متقدمین کا قافلہ:

علمائے دیوبند کے بارے میں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''صحابہ کرام کا ایک قافلہ جا رہا تھا ان میں سے چند ارواح کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے روک لیا۔ یہ وہی روحیں تھیں جن کو اس دور کے اندر پیدا کر دیا تا کہ بعد میں آنے والے متاخرین متقدمین کی زندگی کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں''۔

اور واقعی ان کی اتباع سنت کو دیکھیں، ان کے تقویٰ کو دیکھیں تو یہی نظر آتا ہے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک یہ حضرات نبی علیہ السلام کی سنتوں سے سجے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چناؤ:

یہ کوئی اتفاقی باتیں نہیں تھیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چناؤ معلوم ہوتا

ہے۔ دیکھئے ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر صدی کے آخر پر اللہ تعالیٰ ایک بندے کو پیدا فرماتا ہے جو مجدد ہوتا ہے، جو دین کی تجدید کا کام کرتا ہے، جو شرک و بدعات و رسومات کو ختم کر دیتا ہے اور نبی علیہ السلام کی سنتوں کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تو 100 سال کے بارے میں حدیث پاک میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ تو علمائے دیوبند چنے ہوئے لوگ تھے اگر ان کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو ان کی زندگیوں میں عجیب تناسب نظر آتا ہے۔ آپ کے سامنے دو تین مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

آپ ذرا غور کیجئے گا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1239ھ میں ہوئی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1337ھ میں ہوئی۔ تقریباً سو سال کا فرق ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی مجاہد تھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی مجاہد تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا تھا اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ کے اوپر عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ تقریباً ایک سو سال کے بعد ان کی وفات ہو رہی ہے۔ 100 سال کا یہ وقفہ اتفاقی بات نہیں تھی۔ بلکہ یہ قدرت کا چناؤ نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1246ھ میں ہوئی اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1346ھ میں ہوئی۔ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شرک و بدعت کو ختم کیا تو شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے تقویت الایمان لکھ کر شرک کی جڑیں کاٹ کے رکھ دیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بدعات کا قلع قمع کر دیا تھا۔ ان دونوں کی وفات میں بھی پورے 100 سال کا فرق بنتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ کی وفات 1252ھ میں ہوئی تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1352ھ میں ہوئی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کے سمندر تھے اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کے سمندر تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک چناؤ ہے۔ ایک بندہ جب دنیا سے رخصت ہوتا تھا اللہ دوسرے بندے کو پیدا فرما دیتے ہیں، اور آئندہ آنے والے 100 سال میں وہ بندہ کام کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے علمائے اہلسنت دیوبند سے دین کا کام لیا تو ہمارا ان کے ساتھ روحانی علمی تعلق ہے۔ الحمدللہ آج ان حضرات کے علمی فرزند موجود ہیں۔ جن حضرات نے نبی علیہ السلام کی ایک ایک سنت پر عمل کیا اور انہوں نے دین کے پرچم لہرا دیئے۔ انگریز کے خلاف جہاد کیا جس کی وجہ سے آج ہم آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔ ہمارا علمی رشتہ ان سے لے کر نبی ﷺ تک پہنچتا ہے۔

ہم ٹپکے کے آم نہیں:

ہم کوئی ٹپکے کے آم نہیں ہیں۔ آپ نے یہ الفاظ پہلے بھی سنے ہوں گے کہ آم کا باغ ہوتا ہے تو اس میں مختلف نسل کے آم ہوتے ہیں۔ باغ کا مالی جس درخت سے وہ آم توڑتا ہے تو وہ ٹوکری میں ڈال کر نام لکھ دیتا ہے کہ یہ فلاں نسل کے آم ہیں۔ چنانچہ منڈی میں آ کر آم نسل کے نام سے بکتے ہیں۔ نام سے بکنے کی وجہ سے ان کی قیمت زیادہ لگتی ہے۔ لیکن کچھ آم ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو پرندے خود توڑ کے پھینک دیتے ہیں وہ بہت سارے آپس میں مل جاتے ہیں تو ان کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس نسل کے ہیں۔ ان کو باغ والا آدمی ٹوکری میں بھر دیتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ ٹپکے کے آم ہیں۔ مجھے ان کی نسل کا پتہ نہیں ہے۔

ٹپکے کے آم خریدنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

مقدس علمی رشتہ:

ہم رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں کہتے ہیں کہ ہم ٹپکے کے آم نہیں ہیں بلکہ ہمارا علمی رشتہ نبی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ علما دیوبند کو اللہ رب العزت نے جو علمی کمالات عطا کئے الحمد للہ ان علمی کمالات کا رشتہ نبی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ علما دیوبند کے سرخیل امام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

- حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا ربیع بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت ربیع ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا ابواسحاق مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت ابواسحاق مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام محدث یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت امام محدث یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے
- حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام حماد رحمۃ اللہ علیہ سے

❁ حضرت امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

❁ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دین سیکھا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہماری یہ علمی اور روحانی نسبت نبی علیہ السلام کے ساتھ جا کر ملتی ہے۔

ذکر کا بنیادی مقصد:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ذکر کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ جو اذکار بتلائے جاتے ہیں اور تزکیہ نفس کی جو محنت کروائی جاتی ہے اس کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اس ذکر کے کرنے سے اندر ایسی کیفیت آ جاتی ہے کہ دل منور ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ علوم و معارف کی بارشیں کر دیا کرتے ہیں۔

علوم و معارف کی بارش:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ہم شیخ الہند سے جلالین شریف پڑھا کرتے تھے اور میں تکرار کے وقت طلبا کا مانیٹر تھا۔ میرے ذمے تکرار ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تکرار کرتے ہوئے ایک اشکال وارد ہوا جو رفع ہی نہیں ہوتا تھا۔ سب طلبا نے سوچا مگر کسی کے ذہن میں جواب نہیں آیا۔ بالآخر سب طلبا نے کہا کہ تم چونکہ ذمہ دار ہو اس لئے کل کے درس سے پہلے حضرت سے اس کا جواب پوچھ لو۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ اگلے دن میں نے جلالین شریف اپنی بغل میں لی اور فجر کے لئے مسجد میں آ گیا۔

سردی کا موسم تھا میں نے فجر کی نماز پڑھتے ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے قریب جانے کی کوشش کی۔ مسجد کے ساتھ ہی ان کا حجرہ تھا۔ میرے جانے سے پہلے وہ حجرے میں تشریف لے گئے اور دروازے کی کنڈی بند کر لی۔ میں دیر سے پہنچا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اشرف علی! تجھے اپنے نفس کو سزا دینی چاہئے کہ نکلنے میں تاخیر کیوں ہوئی۔ چنانچہ سردی کے موسم میں میں دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا کہ جب حضرت اشراق پڑھ کر نکلیں گے تو میں حضرت سے ان کا جواب پوچھ لوں گا۔ فرماتے ہیں کہ میں سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ لیکن ذرا کان جو لگائے تو اندر حضرت بیٹھے لا الہ کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا ذکر تو حضرت کر رہے تھے لیکن سن کر مزہ مجھے آ رہا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو وہ ذوق عطا کیا تھا کہ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے سننے والوں کو وجد آ جاتا تھا۔

حضرت نے اشراق پڑھی تو اس کے بعد دروازہ کھولا، میں حیران ہوا کہ سردی کے موسم میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے۔ ذکر کی حرارت پیشانی پر پسینے کی شکل میں ظاہر ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، اشرف علی! تم یہاں کیسے کھڑے ہو؟ میں نے کہا، حضرت! ایک بات پوچھنی ہے۔ میں نے کتاب کھول دی۔ حضرت نے دیکھا تو اس کے متعلق تقریر فرمانی شروع کر دی کہتے ہیں کہ حضرت تقریر فرماتے رہے، الفاظ بھی میرے لئے غیر مانوس تھے اور معانی بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ حضرت نے تقریر فرما کر کہا، اشرف علی! تم سمجھ گئے ہو۔ میں نے کہا، حضرت! کچھ سمجھ نہیں آئی۔ میں نے دل میں کہا، حضرت! کچھ نزول فرمائیے۔ تاکہ مجھے بھی بات سمجھ آ سکے۔ حضرت نے دوبارہ تقریر کرنی شروع کر دی۔ دوبارہ جب تقریر کی تو الفاظ تو مجھے کچھ مانوس محسوس ہوتے تھے، سنے ہوئے تھے لیکن مطلب پھر بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ حضرت نے تقریر

مکمل کی۔ دوسری مرتبہ فرمایا، اشرف علی! اب تمہیں بات سمجھ آئی۔ میں نے کہا، حضرت! اب بھی سمجھ نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا، اشرف علی! میری اس وقت کی باتیں تمہارے فہم وادراک سے بالا ہیں لہٰذا کسی اور وقت میں مجھ سے پوچھ لینا۔

الحمدللہ ہم ان اساتذہ کے شاگرد ہیں جو اللہ رب العزت کا ذکر کرتے تھے تو علوم و معارف کی اتنی بارش ہوتی تھی کہ ایک ہی مضمون کو کئی کئی انداز سے بیان کرتے تھے مگر سمجھنے والوں کے فہم وادراک سے بالا ہوا کرتی تھیں۔

اُوْلٰئِکَ آبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ

اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

اللہ رب العزت ہمیں ان اسلاف کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے، ہمیں اپنے آپ پر محنت کرنے اور اپنے علم پر عمل کرنے کی، اپنے اندر سے دورنگی ختم کرنے کی اور اپنے اندر سے معصیت ختم کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اصلاحی باتیں

جو انسان زمین اور آسمان کے درمیان زندگی گزارتے ہوئے حقیقی معنوں میں انسان نہ بن سکے گا یا اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کرے گا اور وہ بنے بغیر اللہ رب العزت کے حضور پہنچے گا تو وہاں جا کر اس کی روحانیت نہیں بن سکے گی چونکہ زمین و آسمان کا پیٹ روحانیت بنانے کی جگہ ہے اس لئے ہم میں سے ہر بندہ کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا مرد کیا عورت ہر ایک کو اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے

اصلاحی باتیں

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ !
فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ اِنَّا
عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ
یَّحْمِلْنَھَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْھَا وَ حَمَلَھَاالْاِنْسَانُ ٥ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا
جَھُوْلًا ٥ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ٥ وَ سَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ٥ وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

زمین اور پہاڑوں کی معذرت:

قرآن پاک میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس قرآن کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے اس بارِ امانت کو اٹھانے سے معذرت کی اور اس سے ڈر گئے کہ یہ بوجھ بہت بڑا ہے اس لئے ہم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا۔ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا۔

انسان کی دو خفیہ صفات:

یہاں پر دو لفظ استعمال کئے گئے ایک ظَلُوْمًا اور دوسرا جَھُوْلًا ۔ یہ دونوں

مبالغے کے صیغے ہیں۔ ظَلُوْمًا باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے اور جَهُوْلاً باب مَنَعَ یَمْنَعُ سے ہے۔ ظاہراً نظر آتا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال سے انسان کی برائی بیان کی گئی ہے لیکن اس کے اندر انسان کی دو صفات چھپی ہوئی ہیں کیونکہ جو انسان ظالم ہوسکتا ہے وہ اگر اپنے آپ کو سنوار لے تو وہی عادل بھی بن سکتا ہے۔ اور جو انسان جاہل ہے وہ اگر اپنے آپ پر محنت کرے تو وہی عالم بھی بن سکتا ہے۔ گویا اس آیت میں انسان کے اندر عدل اور علم حاصل کرنے کی استعداد کا اشارہ کیا گیا ہے۔

روحانیت بنانے کی جگہ:

کوئی بھی انسان ماں کے پیٹ سے بن سنور کر نہیں آتا۔ بلکہ اس دنیا میں آکر بنتا ہوتا ہے۔ ماں کا پیٹ انسان کے جسم کے بننے کی جگہ ہے اور زمین و آسمان کا پیٹ انسان کی روحانیت بننے کی جگہ ہے۔ جس طرح ماں کے پیٹ سے کوئی بچہ اس حالت میں پیدا ہو کہ اس کی آنکھیں ٹھیک نہیں تو دنیا میں آکر اس کی آنکھیں ٹھیک نہیں ہوسکتیں۔ ڈاکٹر جتنا مرضی زور لگالیں وہ بالآخر یہی کہیں گے کہ یہ ایک پیدائشی نقص ہے اس لئے یہ ٹھیک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جو انسان زمین اور آسمان کے درمیان زندگی گزارتے ہوئے حقیقی معنوں میں انسان نہ بن سکے گا یعنی اپنے اوپر محنت نہیں کرے گا یا اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کرے گا اور بنے بغیر وہ اللہ رب العزت کے حضور پہنچے گا تو وہاں جا کر قیامت کے دن اس انسان کی روحانیت نہیں بن سکے گی۔ چونکہ زمین و آسمان کا پیٹ روحانیت بنانے کی جگہ ہے اس لئے ہم میں سے ہر بندہ کیا چھوٹا، کیا بڑا، کیا مرد، کیا عورت ہر ایک کو اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک اہم نکتہ:

اللہ رب العزت نے امانت کا بوجھ بندے کے سر پر رکھا تو بندے نے اٹھا لیا۔غور کرنے والی بات یہ ہے کہ بوجھ اٹھانے والے کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے گدھے کو بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کیا تو اس کا گوشت کھانا حرام قرار دے دیا تاکہ انسان اس کے گلے پر چھری نہ چلا سکے۔ اسی طرح اگر کسی کی باندی حاملہ ہو جائے تو اس مالک کو اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اسے بیچ سکے کیونکہ وہ ایک بوجھ اٹھا چکی ہوتی ہے۔ اب اس ام ولد باندی کا اس بندے پر حق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسے اپنے پاس رکھے یا آزاد کر دے گا، وہ اسے بیچ نہیں سکے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ گدھے نے بوجھ اٹھایا تو اس کا حق تسلیم کیا گیا، باندی نے بوجھ اٹھایا تو اس کا حق تسلیم کیا گیا اسی طرح جو انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کے بار امانت کو اٹھائے گا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس کے حق کو تسلیم فرمالیں گے اور اسے جہنم کا ایندھن نہیں بنائیں گے۔

رحمتوں کے فیصلے:

اگر ہم اپنے گھر میں کام کرنے کے لئے کوئی مزدور لائیں جو سارا دن کام کرے اور پسینہ بہائے تو شام کو جاتے ہوئے ہم اس کو مزدوری ضرور دیتے ہیں حالانکہ ہمارے اندر سینکڑوں بیماریاں موجود ہوتی ہیں۔ حرص بھی ہے، طمع بھی ہے، بخل بھی ہے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود تھوڑی سے شرافت نفس رکھی ہوئی ہے اس کی وجہ سے دل نہیں چاہتا کہ جس بندے نے سارا دن ہماری خاطر پسینہ بہایا ہم اس بندے کو مزدوری دیئے بغیر بھیج دیں۔ تو کیا خیال ہے کہ جو بندہ ساری زندگی اس بار امانت کو اٹھانے کی محنت کرے گا کیا قیامت

کے دن اللہ رب العزت اس کو اجر وثواب عطا نہیں فرمائیں گے ۔ لہٰذا جس بندے کی زندگی شریعت و سنت کے مطابق بن جائے گی اللہ رب العزت کی طرف سے اس بندے کے لئے رحمتوں کے فیصلے ہو جائیں گے ۔

ایک گرانقدر ملفوظ:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عذاب کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ ثواب کے لئے پیدا کیا ہے ۔ عذاب تو ہم خود خرید رہے ہوتے ہیں ۔ یہ ہماری نادانی ہوتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو گناہوں کے اندر دھنسا دیتے ہیں جس کی وجہ سے مصیبتیں آ جاتی ہیں ۔ اگر ہم اپنی زندگی کو اپنی فطرت اور شریعت و سنت کے مطابق گزاریں تو اللہ رب العزت ہمیں دنیا کے اندر بھی عزتیں دیں گے اور آخرت کے اندر بھی ہمیں عزتیں عطا فرمائیں گے ۔ اسی لئے ارشاد فرمایا وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (تمہیں سست ہونے کی ضرورت نہیں، تمہیں غم کھانے کی ضرورت نہیں، تم ہی اعلیٰ و بالا ہو گے اگر ایمان والے ہو گے) ۔ گویا اگر ہم اپنے آپ پر محنت کریں گے تو دنیا میں بھی راج ملے گا ۔

مسخر کرنے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (جو کچھ بھی آسمان اور زمین میں ہے ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے) ۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ’’المفردات القرآن‘‘ میں لکھتے ہیں کہ مسخر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ کسی جانور کی لگام کو پکڑ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے ۔ گویا اللہ رب العزت نے زمین و آسمان کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کی

لگام انسان کے ہاتھ میں تھما دی ہے۔اب اگر ہم صحیح معنوں میں انسان بن جائیں اور ہمارے جسم پر اللہ تعالیٰ کا حکم چلے تو ہم یقیناً کائنات کو مسخر کر لیں گے۔

جسم پر دل کا حکم:

بندے کے دل کا حکم اس کے جسم پر چلتا ہے۔مثلاً ایک آدمی کسی کی طرف دیکھتا ہی نہیں ، اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ میری طرف دیکھتے ہی نہیں۔تو وہ کہتا ہے کہ میرا دل نہیں کرتا۔حالانکہ دیکھنا تو آنکھوں کا کام ہے۔لیکن جواب یہ ملتا ہے کہ دل نہیں کرتا۔اسی طرح ایک آدمی کسی کی بات ہی نہیں سنتا اگر کوئی آدمی اس سے کہے کہ بھئی! تم تو میری بات ہی نہیں سنتے۔تو وہ کہتا ہے کہ میرا دل ہی نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ اگر دل چاہے تو آنکھ اور کان عمل کرتے ہیں اور دل نہ چاہے تو آنکھ اور کان عمل نہیں کرتے۔گویا جسم پر دل کا راج ہے۔لہٰذا جس دل میں اللہ رب العزت کا راج آجاتا ہے اللہ رب العزت اس کو زمین و آسمان کی درمیانی چیزوں پر راج عطا فرما دیتے ہیں۔

مقام تسخیر:

مقام تسخیر یہ ہوتا ہے کہ زبان سے بات نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پورا کر دیا کرتے ہیں۔جی ہاں ، جو صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے اللہ رب العزت اس کی لاج رکھ لیتے ہیں۔مگر اللہ والے مشیت خداوندی کو دیکھتے ہیں اس لئے ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہو۔

خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اور مقام تسخیر:

امام العلما والصلحا حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ مجمع میں

فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو ایک لمحہ میں اس مجمع کو تڑپا کر رکھ دوں مگر مجھے اوپر سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مقام تسخیر اور تسلیم ورضا:

جب تاتار کا فتنہ اٹھا تو خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملی کہ تاتاری اس شہر پر ہلہ بولنے والے ہیں۔ انہوں نے اٹھ کر دعا مانگی، اے اللہ! ہمیں اس فتنہ سے محفوظ فرما۔ جو لشکر شہر کی طرف چلا تھا وہ اس دعا کی برکت سے راستہ بھول گیا اور کسی دوسری طرف کو جا نکلا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پورے شہر کو محفوظ فرمالیا۔ اگلے سال تاتاریوں نے پھر اس شہر کا رخ کیا تو اس مرتبہ خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں ارادہ کیا کہ میں دعا مانگوں، مگر الہام کر دیا گیا کہ میرے بندے! یہ میری مشیت ہے، اب تمہیں سر جھکانا پڑے گا۔ آپ نے پہلے دعا مانگی تھی جسے ہم نے قبول کر لیا، اب مت ہاتھ اٹھانا، یہ قضا و قدر کے فیصلے ہیں، اسے ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعا نہ مانگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ تاتار آئے اور پورے شہر کو تہس نہس کر دیا۔ اسی دوران خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

سید احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ اور مقام تسخیر:

تاتاری فوج ایک شہر ''دربند'' میں پہنچی۔ وہاں ایک بزرگ سید احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ تاتاریوں کی آمد کی خبر سنتے ہی مسلمانوں نے سارے شہر کو خالی کر دیا۔ فقط شیخ احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ایک خلیفہ مسجد کے اندر موجود رہے۔ تاتاری شہزادے نے کہا کہ جاؤ پتہ کرو کہ کوئی انسان اس شہر کے اندر موجود ہے یا نہیں۔ بتایا گیا کہ دو بندے مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے

ہیں۔اس نے کہا کہ گرفتار کر کے اور بیڑیاں پہنا کر میرے سامنے پیش کرو۔حکم کے مطابق ان کو گرفتار کر کے شہزادے کے سامنے پیش کیا گیا۔تاتاری شہزادے نے پوچھا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں آ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ پتہ تھا۔ شہزادے نے کہا، جب سارے مسلمان چلے گئے تھے تو پھر تم کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم اپنے پروردگار کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس گھر سے ہمیں کوئی نہیں نکال سکتا۔شہزادے نے کہا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ ہم نے تمہیں نکالا، ہم نے تمہیں بیڑیاں پہنائیں اور ہم نے تمہیں مجرم کی طرح سامنے کھڑا کر دیا ہے۔شیخ احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ یہ بیڑیاں کیا چیز ہیں؟ چنانچہ شیخ احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت زور سے کہا ''اللہ'' ان کا یہ کہنا تھا کہ زنجیریں ٹوٹ کر نیچے گر گئیں۔

تاتاری شہزادے کا قبول اسلام:

یہ دیکھ کر تاتاری شہزادے کے دل میں ہیبت بیٹھ گئی۔کہنے لگا کہ میں آپ کو اس شہر میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔چنانچہ شیخ احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر میں رہنا شروع کر دیا۔تاتاری شہزادہ کبھی کبھی ان سے خفیہ ملاقات کرنے کے لئے آتا۔اللہ تعالیٰ نے نور فراست سے شیخ احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ کو بتا دیا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ یہ شہزادہ پورے ملک کا حکمران بنے گا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شہزادے سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔اس نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو بھی جاؤں تو اپنے ایمان کا اظہار نہیں کر سکتا، اگر کروں گا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم اپنے ایمان کا اس وقت اظہار کر دینا جب اللہ تعالیٰ تمہیں حکمران بنا دیں گے۔شہزادے نے حیران ہو کر

پوچھا، کیا مجھے حکومت بھی ملے گی؟ فرمایا، ہاں میرے باطن کا نور بتاتا ہے کہ تمہیں حکومت ملے گی۔ چنانچہ شہزادے نے وعدہ کرلیا کہ جس وقت مجھے حکومت ملے گی میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کردوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ تیس سال کے بعد اس شہزادے کو حکومت ملی تو اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح پوری دنیا میں خلافت وحکومت دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اسی پر علامہ اقبال نے کہا۔

ہے عیاں شورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی لاج:

معزز سامعین! جس بندے کے چند فٹ جسم پر اللہ رب العزت کا حکم لاگو ہو جائے تو اللہ رب العزت اس بندے کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی لاج رکھ لیتے ہیں۔ ہمیں اگر کسی سے دوستی ہو تو ہم اس کی بات کو رد نہیں کرتے۔ خاوند پیار کی وجہ سے بیوی کی بات کو رد نہیں کرتا اور ماں پیار کی وجہ سے بیٹے کی بات کو رد نہیں کرتی۔ اسی طرح اللہ رب العزت کو اپنے جن بندوں سے پیار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان بندوں کی باتوں کو بھی رد نہیں فرمایا کرتے۔ چونکہ ہم نے ایسی زندگیاں ابھی قریب سے نہیں دیکھیں اس لئے اندازہ نہیں ہوتا۔

بوریا نشینی میں لذت:

یہ مثالیں تو آپ نے پڑھی ہوں گی کہ لوگ تخت وتاج کو چھوڑ کر بوریا نشین بن گئے مگر آپ نے آج تک ایسی کوئی ایک مثال بھی نہیں پڑھی ہوگی کہ کسی بوریا

نشین نے تخت و تاج کو قبول کر لیا ہو۔ معلوم ہوا کہ اس بوریا نشینی میں کوئی ایسی لذت ہے کہ جو تخت و تاج میں بھی نصیب نہیں ہوتی۔

فاقوں کے مزے:

ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فاقوں کی فضیلت بیان کر رہے تھے۔ ایک آدمی نے کہا، حضرت! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ بھوک اور فاقے بھی کوئی فضیلت والی چیزیں ہیں۔ فرمایا، اے بھائی! تمہیں ان کی قدر کا کیا پتہ، ہم سے پوچھو جنہوں نے بلخ کی بادشاہی دے کر ان فاقوں کو خریدا ہے۔

دلوں میں اتنا سکون:

ایک دفعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر وقت کے بادشاہوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دلوں میں کتنا سکون ہے تو وہ اپنی فوجیں لے کر ہمارے اوپر چڑھائی شروع کر دیں۔ ظاہراً نظر آتا ہے کہ ان اللہ والوں کے لباس معمولی ہیں، یہ بوریا نشین ہیں اور دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہیں مگر اللہ رب العزت کے ہاں ان کا بڑا مقام ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی حجام کے پاس بال کٹوانے کے لئے گئے، اس نے دیکھا کہ آپ نے میلے سے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اسی دوران کوئی خوش لباس دنیا دار سا بندہ اس کے پاس بال کٹوانے آیا۔ حجام کو توقع تھی کہ ادھر سے زیادہ پیسے ملیں گے۔ چنانچہ اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بال کاٹنے سے انکار کر دیا کہ میں تو پہلے اس کے بال کاٹوں گا۔ آپ رحمۃ اللہ

علیہ نے اپنے غلام سے پوچھا، بتاؤ تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں؟ عرض کیا، جی تین سو دینار ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یہ پیسے اس کو ویسے ہی دے دو۔ حالانکہ بال کٹوانے کے ایک یا دو دینار لگتے ہوں گے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ویسے ہی تین سو دینار دیئے اور بال بھی نہ کٹوائے تو وہ بڑا حیران ہوا۔ وہ کہنے لگا، میں تو سمجھا تھا کہ آپ کے اوپر فقط گدڑی ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ گدڑی میں لعل چھپا ہوا تھا۔ اس کی بات سن کر امام شافعیرحمۃ اللہ علیہ باہر نکل آئے اور تاریخی شعر ارشاد فرمائے

علی ثیاب لو یباع جمیعها
بفلس لکان الفلس منهن اکثرا

(اگر تم میرے جسم کے کپڑوں کی قیمت کا اندازہ لگاؤ گے تو ان کی قیمت تو ایک درہم بھی نہیں بنے گی لیکن اگر ان کپڑوں میں چھپے بندے کی قیمت لگاؤ گے تو پوری دنیا بھی مل کر اس بندے کی قیمت نہیں بن سکتی)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی قیمت:

ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کی جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا، او مغل بادشاہو! تمہارے خزانے ہیرے اور موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن ولی اللہ کے سینے میں ایک ایسا دل ہے کہ تمہارے سارے خزانے مل کر بھی اس دل کی قیمت نہیں بن سکتے۔ اس لئے کہ اس کے دل میں اللہ سمایا ہوا ہے، اس کے دل میں اللہ آیا ہوا ہے بلکہ اس کے دل میں اللہ چھایا ہوا ہے۔ سبحان اللہ

اطاعت ہی اطاعت:

جب انسان کے جسم پر اللہ تعالیٰ کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے حکم کو مخلوق پر لاگو کر دیتے ہیں۔ ایسے بندے کی اطاعت ہوا کرتی ہے، ایسے بندے کی اطاعت پانی کرتا ہے، ایسے بندے کی اطاعت زمین کرتی ہے، ایسے بندے کی اطاعت جنگل کے جانور کرتے ہیں۔ ارے! انسانوں کی کیا بات، اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو ان کا ماتحت بنا دیتے ہیں۔

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اور مقام تسخیر:

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ اور ہوا اس پیغام کو سینکڑوں میل دور تک پہنچا رہی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو رقعہ لکھا تو اس کے پانی نے چلنا شروع کر دیا۔ آج بھی دریائے نیل چل رہا ہے اور عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی عظمتوں کی گواہی دے رہا ہے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں زلزلہ آتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ پاؤں کی ٹھوکر مار کر زمین کو فرماتے ہیں کہ اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ اسی وقت زمین کا زلزلہ رک جاتا ہے۔ مدینہ منور کے قریبی پہاڑ سے ایک آگ نکلتی ہے جو مدینہ منورہ کی طرف بڑھتی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بھیجتے ہیں کہ جا کر اسے بجھایئے۔ انہوں نے دو رکعت نفل پڑھے اور پھر اپنے کپڑے کو ایسے بنایا جیسے کسی جانور کو مارنے کا چابک ہوتا ہے، اس کے ساتھ آگ کو مارتے رہے آگ پیچھے ہٹتی رہی حتیٰ کہ جس غار سے نکلی تھی اسی غار میں واپس داخل ہوگئی۔

بربر قوم کا قبول اسلام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب افریقہ کے جنگلوں میں پہنچے تو بربر قوم کہنے لگی کہ یہاں پر تو خطرناک درندے ہیں وہ رات کے اندھیرے میں تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا، اے جنگل کے درندو! آج یہاں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے غلاموں کا بسیرا ہے اس لئے جنگل خالی کر دو۔ یہ اعلان ہونا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ شیرنی بچوں کو لے کر جا رہی ہے اور ہاتھیوں کے غول جا رہے ہیں اور سارے درندے جنگل کو خالی کر کے جا رہے ہیں۔ مقامی لوگوں نے دیکھا تو انہوں نے پوچھا کہ تم نے یہ کام کیسے سیکھا؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی زندگی گزارنے کے طریقے سکھائے۔ وہ کہنے لگے کہ پھر آپ ہمیں بھی اپنے جیسا بنا لیجئے۔ چنانچہ وہ افریقن قوم جنگل کے درندوں کی اطاعت کو دیکھ کر بغیر کسی لڑائی کے مسلمان ہو گئی۔

ہمت کی کوتاہی:

اللہ رب العزت نے ہر مومن کو مقام تسخیر عطا کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ مگر ہمارے راستے میں ہمارا چھ فٹ کا جسم رکاوٹ ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''اے دوست! تیرے راستے میں رکاوٹ تیرا چھ فٹ کا جسم ہے، یعنی تیرا نفس ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ چھ فٹ کی دیوار اتنی اونچی نہیں، ذرا ہمت کر کے اسے پھلانگ جا''۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم پوری زندگی اس چھ فٹ کی دیوار کو نہیں پھلانگ سکتے، یہ ہمارے اور ہمارے پروردگار کے راستے

میں رکاوٹ بنی ہوئی ہوتی ہے، ہم اس کے اوپر پاؤں رکھ کے آگے نہیں جا سکتے۔

نہ شاخ گل ہی اونچی تھی نہ دیوار چمن بلبل!
تیری ہمت کی کوتاہی تیری قسمت کی پستی ہے

دراصل ہمت کوتاہ ہوتی ہے لیکن ہم کہتے ہیں قسمت پست ہے۔ یاد رکھئے کہ جو بلند ہمت ہوتے ہیں اللہ رب العزت ان کے لئے راستے ہموار کر دیا کرتے ہیں۔

بارِ امانت کے بارے میں باز پرس:

اللہ رب العزت کا تعلق حاصل کرنے کے لئے ہمیں اس دنیا میں محنت کرنی ہے۔ اسی مقصد کے لئے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بارِ امانت ہمارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ مرد ہو یا عورت، ہم میں سے ہر ایک نے اس کو اٹھانا ہے۔ اگر اس کو اٹھانے میں کوئی کمی کوتاہی کی تو قیامت کے دن ہم سے پوچھا جائے گا اور جس نے اٹھا لیا، اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی طرف سے اجر اور بدلہ عطا فرمائیں گے۔

تین بنیادی گناہ

انسان کی زندگی میں تین گناہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) پہلا گناہ

پہلا گناہ شہوت ہے۔ شہوت کا لفظ نکلا ہے اشتہا سے۔ عربی زبان میں اشتہا

کسی چیز کی طلب اور بھوک کو کہتے ہیں ۔ جب انسان بھوکا ہوتا ہے تو گویا اس کو روٹی کی شہوت ہوتی ہے ، پیاسے بندے کو پانی پینے کی شہوت ہوتی ہے ، کئی لوگوں کو اچھے کھانے کی شہوت ہوتی ہے، کئی لوگوں کو اچھے سے اچھا لباس پہننے کی شہوت ہوتی ہے ۔اسی طرح جب انسان جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے،اس کے لئے بھی شہوت کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔اس طرح شہوت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے ۔ بچوں کے اندر میٹھی چیزیں کھانے کی شہوت ہوتی ہے ۔ ان کو ماں باپ چیونگم اور ٹافی کھانے سے منع بھی کرتے رہیں تو پھر بھی وہ چھپ چھپ کر کھاتے رہتے ہیں ۔ان کے اندر میٹھی چیزوں کی اشتہا رکھ دی گئی ہے ۔ کچھ لوگوں کو کھانے پینے کی اشتہا اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ بیچارے کھانے کے چٹورے بنے پھرتے ہیں ۔ان کو ہر وقت کھانے پینے کی فکر درپیش رہتی ہے ۔ایک دن اچھا مل جائے تو اسی کی تلاش میں رہتے ہیں ۔ کچھ لوگوں کو دنیا میں حکومت کرنے کی اشتہا ہوتی ہے، وہ بیچارے اس کی خاطر زندگی برباد کر بیٹھتے ہیں ۔ کچھ تو پا لیتے ہیں اور کچھ محروم رہتے ہیں۔

جمال اور مال کے پھندے:

نوجوان مردوں کے اندر عورت کی شہوت زیادہ ہوتی ہے جب کہ عورت کے دل میں کپڑوں وغیرہ کی نمائش کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ ہر ایک کے اندر علیحدہ علیحدہ بیماریاں ہوتی ہے۔آج کل کے مردوں کو جمال نے برباد کر دیا ہے اور عورتوں کو مال نے برباد کر دیا ہے۔گویا پوری دنیا کے مسلمان مال اور جمال کے ہاتھوں برباد ہوئے پڑے ہیں ۔ مرد نیک ہو، شریف ہو یا صوفی ہو ، جمال اس کی کمزوری ہے اسی لئے آنکھیں قابو میں نہیں رہتیں ۔اس مرض سے چھٹکارا

پانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ کتابیں بھی پڑھ لیتے ہیں اور نیکی کے دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں لیکن آنکھوں پر قابو پانے کے لئے کہیں آکر ضربیں لگانی پڑتی ہیں، کہیں آکر رگڑے کھانے پڑتے ہیں تب جاکر فکر کی گندگی دور ہوتی ہے۔

خانقاہوں کا بنیادی مقصد:

یادرکھیں! کہ فکر کی گندگی ذکر سے دور ہوتی ہے۔ جب ہم ذکر ہی نہیں کریں گے تو فکر پاک ہی نہیں ہوگی۔ پھر بھلے ہم دین کا یا دنیا کا جو کام بھی کرتے پھریں گے، لیکن ہمارے اندر کا انسان اور ہوگا اوپر کا انسان اور ہوگا۔ ہم دورنگی کی زندگی گزار رہے ہوں گے۔ اگر ہم چاہیں کہ یہ قیل اور قال کا فرق ختم ہو جائے یا قال اور حال کا فرق ختم ہو جائے تو اس کے لئے کسی کے زیر سایہ رہ کر تربیت حاصل کرنی پڑے گی۔ ان خانقاہوں کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

ذکر کے ماحول کی ضرورت:

جب ایک آدمی بسکٹ بناتا ہے وہ ساری چیزوں کو ملا کر ایک خاص درجہ حرارت پر رکھ دیتا ہے اس طرح بسکٹ تیار ہو جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بسکٹ کتنا مزے دار بن جاتا ہے اسی طرح جب انسان کے دل کو ذکر کی حرارت میں کچھ وقت کے لئے رکھا جاتا ہے تب اس کا دل بھی بسکٹ کی مانند لذیذ بن جاتا ہے اور اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت پالیتا ہے۔ اس لئے ذکر کے ماحول میں ہر سالک کو رہ کر محنت کرنا پڑتی ہے تاکہ اسے اپنے اوپر قابو آجائے اور اس کی زندگی میں شریعت وسنت کے احکام لاگو ہو جائیں۔

دل جاری ہونا:

اسی کو بعض مشائخ نے ''دل کا جاری ہونا'' کہا ہے۔ بعض سالک سمجھ لیتے ہیں کہ دل کا جاری ہونا دل کی کوئی ظاہر اُدھڑکن ہوتی ہے۔ جی ہاں، دل کی اللہ اللہ بھی محسوس ہوتی ہے مگر فقط اللہ اللہ کی کیفیت مطلوب نہیں جب تک کہ اعضا اس کا ثبوت نہیں دیتے۔ اگر کوئی سالک کہے کہ مجھے اللہ اللہ کی کیفیت تو حاصل ہے مگر وہ اپنے جسم سے شریعت وسنت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی اس اللہ اللہ والی کیفیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ تصوف کی ابتدا یہ ہے کہ انسان کو اپنے دل سے اللہ اللہ کا ادراک محسوس ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کے جسم پر اللہ رب العزت کے احکام جاری ہو جائیں۔ گویا اس کا جسم اس کے دل کے قابو میں آ جائے۔ پھر یہ کہا جائے گا کہ اس بندے کا قلب جاری ہو گیا یعنی اس بندے کے قلب کا حکم جسم کے اعضا پر جاری ہو گیا ہے۔

اوراد و وظائف کی اہمیت:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذکر کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ آج کل کے اکثر سالکین معمولات میں سستی کرتے ہیں، مراقبے کے متعلق پوچھیں تو کہتے ہیں کہ جی پانچ یا دس منٹ کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس دل کو بگاڑنے میں عمر گزر گئی وہ پانچ یا دس منٹ میں تو نہیں سنورے گا۔ لہٰذا ہر سالک کو اپنے معمولات کی پابندی کرنی ضروری ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا مَنْ لَّا وِرْدَ لَهٗ لَا وَارِدَ لَـــهٗ جو آدمی ورد وظائف نہیں کرے گا اس کے اوپر کوئی واردات اور

کیفیات نہیں آ سکتیں۔ سالکین مراقبہ تو کرتے نہیں اور سمجھتے ہیں کہ شیخ کی دعا سے ہی دل جاری ہو جائیں گے۔ عجیب بات ہے کہ دنیا کے سارے کام ہم خود کرتے پھرتے ہیں جب کہ دین کا یہ کام ہم نے دوسرے لوگوں کے ذمے لگایا ہوتا ہے۔

سالک کی کیفیات پر شیخ کی نظر:

شیخ کا یہ فرض منصبی ہوتا ہے کہ سالک کے اوپر جو کیفیات ہوں ان کے بارے میں اس کی رہبری کرے۔ اچھی طرح واضح کرے کہ تمہاری یہ کیفیت رحمانی اور یہ کیفیت شیطانی ہے۔ کیونکہ شیطان بھی تو کیفیتیں بنا بنا کر انسان کو دھوکہ دیتا رہتا ہے۔

شیطان کا چکر:

ایک مرتبہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں مراقبہ کر رہے تھے۔ اچانک ایک نور ظاہر ہوا جس نے ماحول کو منور کر کے رکھ دیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ متوجہ ہوئے تو آواز آئی، اے عبدالقادر جیلانی! ہم تیری عبادت سے اتنے خوش ہیں کہ ہم نے تم سے قلم اٹھا لیا، اب تو جو چاہے کر، تیرے گناہ تیرے نامہ اعمال میں نہیں لکھے جائیں گے۔ جب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنی تو آپ نے اس بات کو قرآن اور حدیث پر پیش کیا جو سچے گواہ ہیں۔ ایک آیت سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو فرمایا وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اے محبوب ﷺ! آپ عبادت کرتے رہیے کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ اسی حال میں دنیا سے پردہ فرما جائیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ نبی اکرم ﷺ کو تو یہ حکم دیا گیا ہے

پھر عبدالقادر جیلانی کی یہ مجال کہاں کہ اس سے قلم ہٹالی جائے۔ لہٰذا سمجھ گئے کہ یہ تو شیطان کا چکر ہے۔انہوں نے فوراً پڑھا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یہ کلمات شیطان کے لئے توپ کے گولے کی طرح ہیں۔ چنانچہ جب یہ گولہ لگا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔مگر بھاگتے ہوئے دوسرا فائر کر گیا، کیونکہ وہ بڑا خطرناک دشمن ہے۔ کہنے لگا، عبدالقادر جیلانی! میں نے اپنے اس حربے سے ہزاروں اولیا کو دھوکے دیئے مگر تو اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر فرمایا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہ او مردود! میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں بچا بلکہ میں اپنے پروردگار کے فضل کی وجہ سے بچا ہوں۔

محترم سامعین! جب اتنے بڑے بڑے اولیائے کرام پر بھی شیطان وار کرنے سے باز نہیں آتا تو پھر ہم ذکر پر وقت لگائے بغیر اس پر کیسے قابو پائیں گے۔اس لئے یہ بات ذہن میں بٹھا لیجئے کہ ہمیں صبح و شام ذکر الٰہی کرنا ہے کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۔ذکر الٰہی کو ہمیں اسی طرح اپنی زندگی کا جزو لازم بنانا چاہئے جس طرح ہم اپنے لئے کھانا کھانا ضروری سمجھتے ہیں۔آپ کھانے کو قربان کر دیجئے مگر مراقبے کو قربان نہ ہونے دیجئے۔

لیٹ کر مراقبہ کرنا:

اللہ تعالیٰ نے بڑی آسانی کر دی ہے کہ اگر آدمی دفتر سے تھکا ہوا آئے اور بیٹھ نہ سکے تو صوفے پر ٹیک لگا کر مراقبہ کر سکتا ہے۔ اگر اس طرح بھی مراقبہ نہیں کر سکتے تو چلو لیٹ کر ہی کر لیں ۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب لیٹ کر مراقبے کی نیت کرتے ہیں تو نیند آجاتی ہے۔ ہمارے مشائخ نے لکھا

ہے کہ جو آدمی لیٹ کر مراقبے کی نیت کرے گا، اسے جتنی دیر نیند آئے گی، اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اتنی دیر مراقبہ کرنے کا اجر وثواب لکھیں گے۔

قرب الٰہی کا چور دروازہ:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں وقوف قلبی کی جو تعلیم دی جاتی ہے اس کا بنیادی مقصد یہی ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ وقوف قلبی اللہ رب العزت تک پہنچنے کا چور دروازہ ہے۔ وقوف قلبی یہ ہوتا کہ انسان کی توجہ ہر وقت اللہ رب العزت کی طرف رہے۔

علم کا اجر بھی، ذکر کا اجر بھی:

یہاں ایک نکتہ سمجھ لیجئے۔ علما اور طلبا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اس لئے ہمیں ذکر کا وقت نہیں ملتا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات معصومیہ میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی طالب علم مطالعہ کرنے کے لئے بیٹھے تو بیٹھنے سے چند لمحے پہلے وہ اپنی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو کر لے۔ اس کے بعد جتنا وقت مطالعہ کرے گا وہ علم کا اجر بھی پائے گا اور اسے ذکر کا اجر بھی دیا جائے گا۔

ذکر الٰہی...... ہر حال میں ضروری ہے:

ہم نے ذکر ہر حال میں کرنا ہے، چاہے ہمارے اوپر خوشی کی حالت ہو یا غم کی حالت ہو۔ اگر خوشی اور غمی کے انتظار میں رہیں گے کہ جی خوشی کا وقت گزار کر پھر ذکر کرنا شروع کریں گے یا کوئی بندہ کہے کہ جی کچھ غم کی کیفیت ہے،

کاروبار کی پریشانی ہے، اس کو گزار کر ذکر کریں گے۔ یاد رکھنا! کہ آپ خود گزر جائیں گے مگر غم اور خوشی کے حالات نہیں گزریں گے۔ ہر حال میں ہمیں اللہ رب العزت کو یاد کرنا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بندہ دل میں ٹھان لے کہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرنا ہے تو پھر اس کو وقت بھی مل جاتا ہے۔

شیطان کی ایک عجیب چال:

اکثر اوقات شیطان دل میں یہ فریب ڈالتا ہے کہ تم نے مراقبہ تو کرنا ہے مگر فلاں کام ٹھیک ہو لے پھر کر لینا۔ یعنی وہ کام سے منع نہیں کرتا بلکہ کام میں رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔ بندہ اس موقع کے انتظار میں رہتا ہے جب کہ اللہ رب العزت اس موقع سے پہلے ملک الموت کو موقع عطا فرما دیتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ہر حال میں اپنے پروردگار کو یاد رکھنا ہے۔

الجھے سلجھے اسی کاکل کے گرفتار رہو

ہم جس حال میں بھی رہیں اللہ رب العزت کی یاد میں رہیں

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار

لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ایک تجربہ شدہ بات:

اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں راسخ کرنے کے لئے شیخ سے رابطہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ ہمارا یہ تجربہ ہے کہ اگر بندہ باقاعدگی کے ساتھ ذکر و مراقبہ کرے تو پھر اگر اسے پورے سال میں ایک دن شیخ کی صحبت مل جائے تو اس کے دل کو زندہ کرنے کے لئے وہ ایک دن کی صحبت بھی کافی ہوتی ہے۔

ایک گھنٹہ کی صحبت کا فیض:

اس عاجز کی پہلی بیعت حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کراچی میں مقیم تھے اور ہم فقرا انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں پڑھتے تھے۔ سال میں صرف ایک مرتبہ مسکین پور شریف کے اجتماع کے موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوتی تھی۔ وہاں پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اجتماع کی مصروفیات بھی ہوتی تھیں اس لئے یونیورسٹی کے طلبا کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک گھنٹہ عنایت فرماتے تھے۔ اس ایک گھنٹہ میں اگر کوئی فقیر ایک سوال پوچھ لیتا تو اس سوال کا اتنا تفصیلی جواب ارشاد فرماتے تھے کہ پورا گھنٹہ گزر جاتا تھا۔ وہ ایک دن کی صحبت ایسی ہوتی تھی جو ہمیں پورا سال جگائے بلکہ تڑپائے رکھتی تھی۔ جی ہاں، اگر پہلے ہی سے زمین کو تیار کیا گیا ہوتو ایک دن کی صحبت بھی کافی ہوتی ہے اور اگر زمین تیار نہیں کی گئی تو کئی دن کی صحبت بھی اثر نہیں دکھائے گی۔

بیعت کے ساتھ ہی اجازت وخلافت:

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دن اپنے پاس رکھا، توجہات دیں اور دوسرے دن اس کو اجازت وخلافت دے دی۔ جو لوگ سالہا سال سے رہ رہے تھے وہ کہنے لگے، حضرت! ہم تو آپ کی خدمت میں کئی کئی سالوں سے موجود ہیں لیکن آپ کی مہربانی اس پر ہوگئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہاں، وہ اپنے تیل اور بتی کو ٹھیک کر کے آیا تھا، میں نے تو فقط اس کے چراغ کو روشن کیا ہے۔ آج کل کے سالک تو ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ تیل بھی پیر ڈالے اور بتی بھی پیر لائے

ہمارا یہ احسان کافی ہے کہ ہم نے بیعت کر لی ہے۔

شیخ کے احسان کا بدلہ:

یاد رکھیں! کہ اگر آپ ساری زندگی اپنے شیخ کی خدمت کرتے رہیں تو آپ اس کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا ذریعہ بن رہا ہوتا ہے۔ آداب المریدین میں بھی یہی لکھا ہے اور یا ادب با نصیب میں بھی مشائخ سے منقول یہی بات لکھی گئی ہے۔ ہم کسی کی وجہ سے ایک قدم بھی اللہ رب العزت کے قریب ہو جائیں تو بھلا اس کی کوئی قیمت ہوسکتی ہے؟ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔

شیخ کی توجہ کا سالکین پر اثر:

ذکر سے انسان کی فکر کی گندگی دور ہوتی ہے اور اسے احوال و کیفیات نصیب ہوتی ہیں۔ سورج تو ایک ہی ہے مگر سورج کی گرمی سے پھل کے اندر ذائقہ بڑھ رہا ہوتا ہے اور لذت بھی پیدا ہو رہی ہوتی ہے، پھول کے اندر اچھا رنگ پیدا ہو رہا ہوتا ہے اور سبزی کے جسامت بڑھ رہی ہوتی ہے۔ سورج تو ایک ہے مگر پھل نے اپنے نصیب کا حصہ پایا، پھول نے اپنے نصیب کا اور سبزی نے اپنے نصیب کا۔ اسی طرح شیخ کی توجہ تمام سالکین کے دلوں پر ایک ہی وقت میں پڑ رہی ہوتی ہے مگر ہر آدمی اپنی طلب اور اخلاص کے بقدر ان سے حصہ پا رہا ہوتا ہے۔

؎ عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے سبھی پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

عقائد کا فساد:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ خواجہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے تھے کہ میں بعض اوقات اپنے شہر کے متعلقین کے دلوں پر توجہ ڈالتا ہوں تو کچھ دلوں میں تو وہ توجہ چلی جاتی ہے لیکن کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں سے وہ نور اور فیض ٹکرا کر واپس آ جاتا ہے اور مجھے آواز آتی ہے کہ ہمارے لئے اس دل کے اندر کوئی جگہ نہیں ہے۔ دراصل وہ لوگ عقائد کے فساد میں مبتلا ہوتے ہیں۔

......تو پھر قصور کس کا؟

اگر ہم دل کی زمین کو ٹھیک کر لیں گے تو ہم جہاں بھی ہوں گے ہمیں مشائخ کا فیض پہنچے گا، کیفیات ملیں گی اور اللہ رب العزت کا قرب ملے گا۔ آپ ایک ہی شیخ کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ ہیں کسی کی گیارہ سال سے تہجد قضا نہیں ہوئی، کسی کی آٹھ سال سے قضا نہیں ہوئی اور اگر کسی بندے کو تکبیر اولیٰ بھی نصیب نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ قصور اس کا اپنا ہے۔ ورنہ اگر دوسروں کو اللہ تعالیٰ نے استقامت عطا کی ہے تو آپ کو بھی استقامت مل سکتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ محنت ہی نہیں کرتے اور اوراد و وظائف کو معمولی سمجھتے ہیں۔

سزا کے درجے:

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ عام مومن کو اس وقت سزا ملتی ہے جب وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، سالک کو اس وقت سزا دی جاتی ہے جب وہ اپنے اوراد و وظائف کو چھوڑ دیتا ہے اور مقربین کو اس وقت سزا دی جاتی ہے جب ان کے دل میں ذرا سا بھی غیر کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں **حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن** ط کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لئے گناہوں کی مانند ہوتی ہیں۔

② دوسرا گناہ

دوسرا بنیادی گناہ ''غضب'' ہے یعنی غصہ۔ یہ گناہ بھی اکثر لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ غصہ آگ کی مانند ہوتا ہے۔ ایک صاحب کسی بوڑھے کے پاس گئے، کہنے لگے، بڑے میاں! تھوڑی سی آگ دے دیں۔ اس نے کہا، میرے پاس نہیں ہے۔ پھر کہنے لگا، بس تھوڑی سی آگ لینے آیا ہوں۔ وہ غصے میں کہنے لگا ارے! تو سنتا نہیں۔ کہنے لگا، بڑے میاں! میں دھواں تو سلگتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا، میرے کہنے پر تجھے یقین نہیں آتا۔ کہنے لگا! بڑے میاں تھوڑی تھوڑی آگ بھی جلتی دیکھ رہا ہوں۔ کہنے لگا، تو بے وقوف ہے، تجھے میری بات سمجھ نہیں آتی۔ کہنے لگا بڑے میاں! اب تو انگارے بھی بننا شروع ہو گئے ہیں۔ بڑے میاں نے غصہ میں آکر کہا، نکل جا یہاں سے، دفع ہو جا۔ وہ کہنے لگا، حضرت! یہی تو وہ آگ تھی جس کی میں آپ کو خبر دینے کے لئے آیا تھا۔

③ تیسرا گناہ

تیسرا بنیادی گناہ ''ہوا پرستی'' ہے۔ تینوں گناہوں کے اپنے اپنے برے اثرات ہوتے ہیں۔

تینوں گناہوں کے نقصانات:

یاد رکھیں کہ

- شہوت کی وجہ سے بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔
- غصہ کی وجہ سے بندہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔

✪ اور ہوا پرستی کی وجہ سے انسان اسلام کی حدود سے خارج ہو کر کفر اور شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اسی لئے

✪ جس میں شہوت ہوگی اس کے اندر بخل اور حرص بہت زیادہ ہوگا۔

✪ جس کے اندر غصہ زیادہ ہوگا اس کے اندر خود بینی ہوگی یعنی وہ کسی کو بھی اپنے جیسا نہیں سمجھے گا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا۔

✪ اور جس کے اندر ہوا پرستی ہوگی اس بندے کے اندر بدعات کی طرف رجحان ہوگا۔ وہ طبعاً بدعات کو پسند کرے گا، وہ بدعات کا وکیل بن کر زندگی گزارے گا۔ اگر اس کے سامنے بدعت کا رد کر دیا جائے تو اسے دکھ ہوگا۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم بدعتی کو آتا دیکھو تو تم راستہ ہی بدل کر چلے جاؤ۔ فرمایا، جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کی دیوار کو گرانے میں مدد کی اور فرمایا کہ جو قوم کسی بدعت پر عمل کر لیتی ہے اللہ رب العزت اس بدعت کے مقابلے کی ایک سنت کو اٹھا لیتے ہیں اور قیامت تک ان لوگوں کو وہ سنت دوبارہ عطا نہیں فرماتے۔

تینوں گناہوں کا انجام:

ان تینوں گناہوں کا انجام دیکھ لیجئے۔ شہوت کی وجہ سے جو گناہ کئے جائیں گے وہ جلدی معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ جب شہوت غالب ہوتی ہے اس وقت عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ (ان لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا اللہ رب العزت کے ذمے ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کا کام کر بیٹھتے

ہیں)۔ یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب کسی کے اوپر جذبات اور خواہشات کا غلبہ ہوگا تو اس آدمی کو اس وقت جاہل کہا جائے گا۔ اس لئے جو شہوات کی وجہ سے گناہ ہوں گے اگر انسان توبہ کرے گا تو اللہ رب العزت بہت جلدی ان گناہوں کی معافی عطا فرمادیں گے۔

غضب کی وجہ سے سرزد ہونے والے گناہ چونکہ حقوق العباد سے متعلق ہوتے ہیں اس لئے فقط معافی مانگنے سے یہ گناہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ جن کے حقوق کو پامال کیا ان لوگوں سے بھی معافی مانگنی پڑے گی یا ان کے حقوق کو ادا کرنا پڑے گا پھر وہ گناہ معاف ہوں گے۔

اور ہوا پرستی کے گناہ ناقابل معافی ہوں گے۔ اس لئے جو انسان کفر اور شرک کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگا قیامت کے دن اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حسد بری بلا ہے:

جب یہ تینوں گناہ مل جاتے ہیں تو اس معجون مرکب کا نام ''حسد'' بنتا ہے۔ ایسے آدمی کے اندر حسد بہت زیادہ ہوگا۔ ہر قسم کے کاموں میں حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ حسد ایسی بری بلا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں پیدا ہو جائے تو پھر اس بندے کی نیکی بھی اچھی نہیں لگتی اور اس کی نیک نامی بھی اچھی نہیں لگتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے والے کام کرے گا تو یہ اس پر بھی پریشان ہوگا کہ وہ کیوں کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جتنے شر رکھے ان تمام کا مجموعہ حسد بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فلق میں اس کا یوں تذکرہ فرمایا وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (میں پناہ مانگتا ہوں حاسد کے حسد سے) انسان کو اللہ تعالیٰ

نے یوں حسد سے بچنے کی تعلیم ارشاد فرما دی۔

وساوس شیطانیہ:

شیطان کی طرف سے جو حملے ہوتے ہیں ان کو ''وساوس شیطانیہ'' کہا جاتا ہے۔ شیطان کے اندر جتنا بھی شر ہے اس کا نتیجہ وساوس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آخری سورۃ میں اس کا بھی تذکرہ فرما دیا۔ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۔ حسد اور وساوس ہی دو چیزیں ہیں جو انسان کی بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور حسد انسان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں طرح کے دشمنوں سے محفوظ فرمالیں۔

حسد کی پیدا کردہ خرابیاں:

آج عملیات کا جتنا کاروبار چمک رہا ہے اور عدالتوں میں جتنی بھیڑ ہوتی ہے اس کے پیچھے حسد کارفرما ہوتا ہے۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ حسد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ یہ سب مقدمے بازیاں عداوتیں حسد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

آنکھوں کی حفاظت:

یہ اصول یاد رکھیں کہ دل کی حفاظت کے لئے آنکھوں کی حفاظت ضروری ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان آنکھ سے دیکھتا ہے، دل اس کی طمع کرتا ہے اور پھر شرمگاہ اس کی تصدیق کر دیتی ہے۔ اس لئے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ شہوات والے گناہ کی ابتدا

ہمیشہ آنکھ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا جو بندہ اپنی نگاہ کو نیچی رکھنے اور غیر محرم سے اپنی نگاہ کو بچانے کا عادی ہوگا وہ اللہ رب العزت کی حفاظت میں آجائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی کبیرہ گناہوں سے حفاظت فرمالیں گے۔

زنا کا پہلا قدم:

یاد رکھئے کہ آنکھ کا گناہ پہلا قدم ہے۔ اس سے آگے زنا کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔ اس لئے اس پہلے قدم کو ہی روک لیجئے۔ جو انسان یہ کہے کہ میں فقط ادھر ادھر دیکھتا ہوں اور عمل بالکل نہیں کرتا، یہ ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ جب آنکھ دیکھے گی تو جی چاہے گا اور پھر جسم اس پر عمل کرے گا۔ اس لئے سالک پر لازمی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو غیر محرم عورتوں سے محفوظ رکھے۔ ہمارے مشائخ نے تو یہاں تک کہہ دیا

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سرِّ حق بر ما بخند

(یعنی تو اپنی آنکھوں کو بند کرلے، کانوں کو بند کرلے اور زبان کو بند کرلے، پھر بھی اگر تجھے حق کا راز نہ ملے تو میرے اوپر ہنسی اڑاتے پھرنا)۔

ہم یہ تینوں کام نہیں کرتے، نہ آنکھ بند ہوتی ہے، نہ کان بند ہوتے ہیں اور نہ زبان بند ہوتی ہے۔ جب ہم سے یہ تینوں کام نہیں ہوتے تو پھر ہمیں حق کا راز کیسے ملے؟

یوسف علیہ السلام وزلیخا اور نظر کی حفاظت:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی نظر کی حفاظت کی تو اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرمادیا اور زلیخا اپنی نظر کی حفاظت نہ کرسکی جس کی وجہ سے شیطان نے

اس کو گناہ میں پھنسا دیا۔

اماں حوا سے بھول ہونے کی وجہ:

اماں حوا اگر شجر ممنوعہ کی طرف نگاہ نہ کرتی تو ان سے کبھی بھول نہ ہوتی۔ چونکہ انہوں نے اس درخت کی طرف دیکھ لیا تھا اس لئے شیطان کو ورغلانے کا موقع مل گیا۔

شیخ کی نظر:

معلوم ہوا کہ یہ نظر ہی ہے جو انسان کی گراوٹ کا سبب بنتی ہے اور پھر شیخ کی نظر ہی ہے جو انسان کی ترقی کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

جب ہم غیر محرموں پر نظر ڈالنے سے بچیں گے تو پھر شیخ کی نظر ہم پر اثر کرنا شروع کر دے گی۔ شیخ کی نظر بھی کیا اثر کرے جب اپنی ہی نظریں ہوس کے ساتھ ادھر ادھر پڑ رہی ہوں۔

جمال اور مال سے نظر ہٹانے کا حکم:

طلبا توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ پہلی چیز غیر محرم کی طرف نظر اٹھانا ہے۔ یہ تو آپ اکثر سنتے ہی رہتے ہیں اور ایک دوسری چیز کی طرف نظر کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتے ہیں، اے میرے محبوب! وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (آپ ان کفار کی ظاہری چمک دمک اور مال و دولت کی طرف نگاہ ہی نہ کریں کیونکہ ان کو تو دنیا کا تھوڑا سا حصہ دیا گیا) معلوم ہوا کہ ہمیں دو چیزوں سے نگاہ ہٹانی ہے، ایک جمال سے اور

دوسرا مال سے ۔ کیونکہ یہی چیزیں انسان کی بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں ۔ مردوں کی نظر جمال سے نہیں ہٹتی اور عورتوں کی نظر مال سے نہیں ہٹتی ۔ یہ بہت ہی عجیب فتنے ہیں ۔ سچی بات یہ ہے کہ شیطان نے ہر ہر بندے کو الجھایا ہوا ہے ۔ مشائخ عظام ان گناہوں کو واضح کر کے سامنے کرتے ہیں تاکہ انسان کے لئے ان سے بچنا اور توبہ کرنا آسان ہو جائے ۔

عام عورتوں میں یہودیوں کی تین صفات:

علما نے لکھا ہے کہ عام عورتوں میں تین باتیں یہودیوں والی ہوتی ہیں ۔

1. پہلی بات یہ کہ خود ظلم کرتی ہیں مگر لوگوں کے سامنے مظلوم بن جاتی ہیں ۔ زیادتی ان کی اپنی ہوتی ہے مگر کہانی ایسی بنا لیتی ہیں کہ فریادی نظر آتی ہیں ۔
2. دوسری بات یہ کہ مجرم ہوتی ہیں مگر دوسروں کی یقین دہانی کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتی رہتی ہیں ۔
3. تیسری بات یہ کہ کسی بات کے لئے دل سے آمادہ ہوتی ہیں مگر زبان سے ناں ناں کر رہی ہوتی ہیں ۔ خود اپنا بھی دل چاہ رہا ہوتا ہے کہ خاوند یہ کام کر لے مگر زبان سے نہیں نہیں کہتی رہیں گی ۔ اس لئے کہ اگر کام ٹھیک ہو گیا تو میں خاموش رہوں گی اور اگر کام الٹ ہو گیا تو کہوں گی کہ دیکھا میں نے مشورہ نہیں دیا تھا ۔

یہ تینوں باتیں یہودیوں میں پائی جاتی تھیں جو آج کل کی عام عورتوں میں آ چکی ہیں ۔

نیک عورت کے اجر و ثواب میں اضافہ:

اگر یہی عورت ذکر فکر کر کے نیک بن جائے تو اللہ رب العزت کے ہاں اس

کا بڑا درجہ ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں نیک عورت کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں تک فرمایا گیا کہ جو عورت گھر کے اندر پڑی ہوئی کسی بے ترتیب چیز کو ترتیب سے رکھ دیتی ہے اللہ رب العزت اس کو ایک نیکی عطا کرتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرما دیا کرتے ہیں۔ عورتیں روزانہ کتنی بے ترتیب چیزوں کو ترتیب سے رکھتی ہیں۔

چرخے کی آواز پر اللہ اکبر کہنے کا ثواب:

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ راوی ہیں کہ جب کوئی عورت اپنے چرخے کو کاتتی ہے اللہ رب العزت اس چرخے کی آواز پر اللہ اکبر کہنے کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھواتے ہیں۔ اب جتنی دیر تک چرخہ کات رہی ہوتی ہے اتنی دیر تک اللہ اکبر کہنے کا اجر اس کے نامہ اعمال میں لکھا جارہا ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں تو چرخہ ہوتا تھا۔ آج کے دور میں مشینیں آ گئی ہیں۔

خاوند کو لباس مہیا کرنے پر اجر:

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ جو عورت اپنے کاتے ہوئے سوت سے کپڑا بنا کر اپنے خاوند کو لباس پہنائے اللہ رب العزت ہر ہر دھاگے اور تار کے بدلے اس کو ایک لاکھ نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔ آج کل گھروں میں کپڑا ابن تو نہیں سکتا لیکن گھروں میں آ کر سل تو سکتا ہے یا جن عورتوں کو یہ سینے کا فن بھی نہیں آتا اور وہ اپنی محبت کی وجہ سے سلوا کے دے دیتی ہیں تو وہ بھی اس اجر و ثواب میں شامل ہو جاتی ہیں۔ دیکھئے کہ گھر کے اندر محبت و پیار کی زندگی گزارنے پر انسان کو کتنا اجر مل رہا ہوتا ہے۔

ایک عجیب بات:

فقیہہ ابو اللیث سمر قندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ جو عورت نماز پڑھے لیکن وہ نماز میں اپنے خاوند کے لئے دعا نہ مانگے اس کی نماز اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شرف قبولیت ہی نہیں پاتی ۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہتے تھے کہ جو عورت نماز پڑھے گی اور اس نماز میں اپنے خاوند کے لئے دعا مانگے گی اللہ رب العزت اس کی نماز کو قبول فرمالیں گے ۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی:

یہ نہیں کہ ایسے کام فقط عورت ہی نے کرنے ہیں مردوں کے ذمے بھی کچھ کام ہیں ۔ آج کل کے صوفیوں میں ایک عجیب بیماری دیکھی گئی ہے کہ ذرا ذکر و اذکار کرنے شروع کو یں تو گھر کے کاموں سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے توکل کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے ۔

گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کے پیغمبر ہیں ۔ ان کی اہلیہ امید سے تھیں ۔ وہ ان کے لئے آگ ڈھونڈنے کے لئے نکلے اور اپنی اہلیہ سے فرمایا اٰتِیْکُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى جب وقت کے نبی علیہ السلام بھی اپنی بیوی کے لئے آگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ کام کرنا مرد کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور اس پر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملا کرتا ہے ۔ نبی علیہ السلام بھی گھر کے کاموں میں شریک ہوا کرتے تھے کبھی بکری کا دودھ دوہ لیتے اور کبھی آٹا گوندھ دیتے تھے ۔

ستر سال کے گناہ معاف:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو مرد اپنے اہل خانہ کے لئے کوئی چیز خریدتا ہے اور لا کر اپنے گھر کے اندر رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اتنے خوش ہوتے ہیں کہ اس کے ستر سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

اعتدال کا راستہ:

شریعت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو جو راستہ جاتا ہے وہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا بلکہ انہی گلی کوچوں بازاروں سے ہو کر جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ ذکر اذکار کے ذریعے کسی کو لولہا لنگڑا نہیں بنانا ہوتا کہ نہ ہاتھ کام کریں اور نہ پاؤں کام کریں۔ اللہ رب العزت ہمارے مشائخ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے ہمیں اعتدال کا ایسا راستہ دکھایا جو افراط وتفریط سے بچ کر سیدھا اللہ رب العزت کی طرف پہنچنے والا ہے۔

الٹے کام:

گناہوں سے بچنا اور ذکر کرنا دونوں کام ہم پر لازم ہیں۔ آج کل ہم الٹ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ جو کام کرنا ہے وہ کرتے نہیں اور جو کام نہیں کرنا چاہیے وہ کر رہے ہوتے ہیں۔ ہماری مثال اس بیمار کی سی ہے جو دوائی تو کھا نہیں رہا ہوتا اور نزلہ وزکام کا مریض ہونے کے باوجود اچار کھا رہا ہوتا ہے۔ اس آدمی کا نزلہ کیسے ٹھیک ہوگا۔ اوراد و وظائف کا معمول بنائیے اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیے پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت کی رحمت کیسے جوش مارے گی۔

ایک علمی نکتہ:

ایک علمی نکتہ ذہن میں رکھئے کہ قرآن پاک میں انسان کے لئے تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں ایک ظالم دوسرا ظلوم اور تیسرا ظلام۔ ان تینوں الفاظ کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے تین نام ہیں۔ ظلوم کے مقابلے میں غفور، ظالم کے مقابلئے میں غافر اور ظلام کے مقابلے میں غفار۔ معلوم ہوا کہ اگر ہم ظلم کی کسی بھی حیثیت میں ہیں، ظالم ہیں، ظلام ہیں یا ظلوم ہیں کسی بھی درجہ میں ہیں، پھر بھی ہمارے گناہ اللہ رب العزت کی رحمت سے زیادہ نہیں ہیں۔ پروردگار کی رحمت زیادہ ہے جس نے ہر ہر درجے کے مقابلے میں اپنا نام بتا دیا کہ میرے بندے! تو ظالم ہے تو میں غافر ہوں، تو ظلوم ہے تو میں غفور ہوں، تو ظلام ہے تو میں غفار ہوں، آ کے توبہ کر لے میں تیرے گناہوں کو معاف فرما دوں گا۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اور خوف خدا:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا ایک دفعہ کہیں بیٹھی تھیں۔ قریب ہی ایک آدمی بھنا ہوا گوشت کھا رہا تھا۔ انہوں نے جب اسے دیکھا تو رونا شروع کر دیا۔ وہ آدمی سمجھا کہ انہیں بھوک لگی ہے اور یہ چاہتی ہیں کہ مجھے بھی کھانے کو دیا جائے۔ اس نے پوچھا کہ، کیا آپ بھی کھائیں گی؟ فرمانے لگیں، نہیں۔ میں اس لئے نہیں رو رہی بلکہ میں کسی اور بات پہ رو رہی ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کونسی بات ہے؟ فرمانے لگیں کہ میں اس بات پر رو رہی ہوں کہ جانوروں اور پرندوں کو آگ پر بھوننے سے پہلے انہیں مار دیا جاتا ہے اور ذبح کئے ہوئے جانور کو بھونتے ہیں، میں قیامت کے دن کو سوچ رہی ہوں کہ جب زندہ انسانوں کو آگ میں ڈال کر بھون دیا جائے گا۔ میں نے بھنے ہوئے مرغ کو دیکھا تو مجھے قیامت کا دن یاد آ گیا، مجھے وہ

رات یاد آ گئی کہ جس کی صبح کو قیامت ہوگی ۔ اے بندے ! تو بھنے مرغ کھانے کا عادی ہے، کباب اور تکے منگوا منگوا کے کھاتا ہے۔ سوچا کریں کہ ہم جو اس گوشت کو بھون بھون کر کھا رہے ہیں اسے تو ذبح کر کے بھونا گیا، اگر ہم گناہ کریں گے تو فرشتے ہم زندوں کو بھونیں گے ۔ اس لئے ہمیں گناہوں سے ضرور بچنا چاہئے ۔

انعام میں دو جنتیں:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں)۔ ان دو جنتوں کی تفصیل بھی بڑی عجیب ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا ایک گھر جنت میں اور ایک گھر جہنم میں بنایا ہے ۔ چاہے مسلمان ہو چاہے کافر ۔ لیکن مسلمان ہوگا تو جنت والے گھر میں جائے اور اگر کافر ہوگا تو جہنم والے گھر میں جائے گا ۔ اس لئے کافر کو موت کے وقت جنت کا گھر دکھاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان والا ہوتا تو تیرے لئے یہ گھر تھا لیکن اب تجھے یہ گھر نہیں دیا جائے گا ۔ پھر اسے جہنم کا گھر دکھاتے ہیں ۔ چونکہ ایمان والوں کو جنت میں گھر ملیں گے اور کافروں کو جہنم میں ملیں گے لہٰذا ان کافروں کے جنت کے جو مکان بچیں گے اللہ تعالیٰ کفار کے ان مکانوں کو ایمان والوں میں تقسیم فرما دیں گے ۔ اس طرح ایمان والوں کو جنت میں دو گھر مل جائیں گے ۔ دنیا میں انسان کی دو کوٹھیاں ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے کہ جی میری فلاں جگہ بھی کوٹھی ہے اور فلاں جگہ بھی ۔ اسی طرح جب جنت میں ایمان والوں کو دو گھر ملیں گے تو وہ بھی بہت خوش ہوں گے ۔

مغفرت کا عجیب انداز:

یحیٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا ۔

پوچھا، حضرت! آگے کیا بنا؟ فرمایا کہ اللہ رب العزت کے حضور میری پیشی ہوئی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یحیٰ! تم میرے پاس کیا لائے ہو؟ میں نے کہا، اے اللہ! میرے پاس اعمال کا ذخیرہ تو کچھ نہیں البتہ ایک حدیث مبارکہ میں نے سنی ہوئی ہے۔ پوچھا، کونسی حدیث؟ عرض کیا، اے اللہ! میں نے اپنے استاد معمر سے سنا، انہوں نے زہری سے سنا، انہوں نے عروہ سے سنا، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے سنا اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میرا وہ بندہ جو کلمہ گو ہو اور اس کے بال سفید ہو جائیں اور اس حال میں وہ میرے سامنے پیش کر دیا جائے تو اس کے سفید بالوں کو دیکھ مجھے حیا آتی ہے اور میں ایسے بندے کو عذاب نہیں دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے بھی ٹھیک سنا، معمر نے بھی ٹھیک کہا، زہری نے بھی ٹھیک کہا، عروہ نے بھی ٹھیک کہا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ٹھیک کہا، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ٹھیک کہا، جبرئیل نے بھی ٹھیک کہا اور ہم نے بھی سچ کہا، مجھے سفید بالوں والے مومن سے واقعی حیا آتی ہے۔ یحیٰ! تیرے سفید بالوں کو دیکھ کر میں نے جہنم کی آگ کو تیرے اوپر حرام کر دیا۔

رحمت خداوندی کا عجیب واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک بڑا ہی گناہگار آدمی تھا۔ اس نے کبھی نیکی نہیں کی تھی۔ وہ ہر وقت جوانی والے شہوانی کاموں میں لگا رہتا تھا۔ یعنی دن رات نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں لگا رہتا تھا۔ گویا دن رات وہ

شیطان بن کر کام کرتا رہتا تھا۔اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ وہ اپنی خواہشات میں اتنا مست تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! فلاں بندے کو جا کر میرا پیغام دے دو کہ تمہیں میں نے دنیا میں بندگی کے لئے بھیجا تھا مگر تم نے دنیا میں جا کر نافرمانی کی ،تم نے اتنے گناہ کیے کہ گناہوں نے تمہارا احاطہ کرلیا، اب میں تم سے ناراض ہوں ، اس لئے میں تمہیں نہیں بخشوں گا اور قیامت کے دن میں تمہیں جہنم کا عذاب دوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ پیغام سنایا کہ تو نے اتنے گناہ کیے، اتنے گناہ کیے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے بندے! میں تجھ سے غضبناک ہوں ،تو نے قدم قدم پر میرے حکموں کو توڑا اور میرے پیغمبر کی سنتوں کو چھوڑا، لہٰذا میں تجھ سے خفا ہو گیا ہوں، اب میں تجھے نہیں بخشوں گا اور تجھے جہنم میں ڈالوں گا۔ اس بندے نے جب یہ بات سنی تو اس بندے کے دل میں ایک عجیب طرح کی کیفیت پیدا ہوئی ۔ وہ سوچنے لگا کہ اوہو! میں اتنا تو گنہگار رہوں کہ پروردگار مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے پیغام بھیج دیا کہ میں تجھ سے خفا ہوں، تجھ سے راضی نہیں ہوں گا اور تجھے جہنم کی آگ میں ڈالوں گا۔

وہ یہی باتیں سوچتے سوچتے جنگل کی طرف نکل گیا، وہ ویرانے میں جا کر اپنے پروردگار سے مناجات کرنے لگا کہ اے اللہ! میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، میں نے بڑے گناہ کیے ،کوئی وقت نہیں چھوڑا، دن میں بھی کیے رات میں بھی کیے، محفل میں بھی کیے تنہائی میں بھی کیے، اے اللہ! میں نے گناہ میں کوئی کسر

نہیں چھوڑی، میں نے سر پر گناہوں کے بڑے بڑے بوجھ لادلئے ہیں۔ مگر اے پروردگار! اگر میرے پاس گناہوں کے بوجھ ہیں تو تیرے پاس بھی عفو و درگزر کے خزانے ہیں، اللہ! کیا میرے گناہ اتنے ہو گئے کہ تیرے عفو و درگزر کے خزانوں سے بھی زیادہ ہیں، میرے مولا! اگر تو کسی کو پیچھے دھکیلے گا تو پھر کون ان کا غمگسار ہوگا، اے بے کسوں کے دستگیر! میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو مجھے مایوس نہ فرما، تیری رحمت میرے گناہوں سے زیادہ ہے اور میرے گناہ تیری رحمت سے تھوڑے ہیں۔ بالآخر اس نے یہاں تک کہہ دیا، اے پروردگار! اگر میرے گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ بخشش کے قابل نہیں ہیں تو پھر میری ایک فریاد سن لے کہ تیری جتنی بھی مخلوق ہے اس سب مخلوق کے گناہ تو میرے سر پر ڈال دے، مجھے قیامت کے دن عذاب دے دینا مگر اپنے باقی بندوں کو معاف کر دینا۔

اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کو پسند آ گئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی کہ اے میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام! اس بندے کو بتا دیجیے کہ جب تم نے میری رحمت کا اتنا سہارا لیا تو سن لے کہ میں حنان ہوں، منان ہوں، رحیم ہوں، کریم ہوں لہٰذا میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا، بلکہ تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔

میرے دوستو! جو رب کریم اتنا مہربان ہو تو ہم کیوں نہ ان محفلوں میں بیٹھ کر اپنے اس پروردگار کی رحمتوں سے حصہ پائیں، اپنے گناہوں کو بخشوائیں اور آئندہ نیکوکاری و پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کا ارادہ کریں۔ پروردگار ہمیں سچی توبہ کی توفیق نصیب فرما دے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

برکت یا کثرت

آج کا عام انسان اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ میرے مسائل کا حل کثرت میں ہے۔ کوئی حکومت والا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ عوام کی کثرت میرے ساتھ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے، کوئی مال والا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ مال کی شرح آمدن زیادہ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے، کوئی فیکٹری والا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ پروڈکشن زیادہ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کثرت سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ برکت سے مسائل حل ہوا کرتے ہیں۔

برکت یا کثرت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ. اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ o سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

عربی زبان کے دو الفاظ اردو زبان میں بھی استعمال ہوتے ہیں ۔ ایک کثرت دوسرا برکت ۔ کثرت کہتے ہیں مقدار کی زیادتی کو مثلاً ایک آدمی کے پاس مال بہت زیادہ ہو، عمر بڑی لمبی ہو، اولاد زیادہ ہو یہ اولاد کی کثرت، مال کی کثرت اور عمر کی کثرت کہلائے گی ۔ برکت کا یہ مطلب ہے کہ چیز ضرورت کے لئے کافی ہو جائے ۔ دونوں الفاظ کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آج کل ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری پریشانیوں کا حل کثرت میں ہے ۔ ہمارے پاس مال زیادہ ہوگا تو مسئلے حل ہو جائیں گے ، عمر لمبی ہوگی تو ہمارے مسئلے حل ہو جائیں گے، اولاد زیادہ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے ۔ ہمیں اپنی پریشانیوں کا حل کثرت میں نظر آتا ہے حالانکہ یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی ہے ۔ اگر کثرت

میں مسائل کا حل ہوتا تو لاکھوں پتی، کروڑوں پتی اور اربوں پتی لوگوں کی زندگی میں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے تھی۔ وہ سب کے سب مطمئن زندگی گزارنے والے ہوتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مزدور درخت کے سائے تلے میٹھی نیند سو رہا ہوتا ہے جب کہ امراء کو ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں بھی نیند نہیں آتی، مزدور آدمی زمین کے اوپر بغیر بستر کے آرام کی نیند سو لیتا ہے لیکن ان کو نرم گدوں کے اوپر بھی نیند نہیں آتی۔ جو شخص دال ساگ کھاتا ہے وہ اطمینان کی زندگی گزارتا ہے، جب کہ ان من مرضی کی غذائیں کھانے والوں کو ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے۔

مسائل جوں کے توں:

آج کل ایک ایسی روٹین بن گئی ہے کہ ہر بندہ کثرت مانگتا ہے۔ جس کی تنخواہ پانچ ہزار ہو وہ سمجھتا ہے کہ چھ ہزار ہوتی تو مسئلے حل ہو جاتے، اگر چھ ہزار ہو جائے تو سمجھتا ہے کہ سات ہزار ہو جاتی تو مسئلے حل ہو جاتے، دس ہزار ہو تو وہ کہتا ہے کہ پندرہ ہزار ہوتی تو مشکلات ختم ہو جاتیں، جس کی بیس ہزار ہو وہ کہتا ہے کہ پچیس ہزار ہوتی تو پریشانیاں ختم ہو جاتیں۔ اسی لئے دعائیں بھی کرواتے ہیں کہ دعا کرو میری تنخواہ بڑھ جائے، اگلا گریڈ مل جائے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہمارے مسئلے حل ہو جائیں گے حالانکہ مسئلے جوں کے توں رہتے ہیں کیونکہ تنخواہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ مصارف بھی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمارے مشائخ نے اس بات کو اچھی طرح سمجھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کثرت میں مسائل کا حل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو پیسے جتنے دیں گے پریشانیاں اسی حساب سے بڑھا کر دیں گے جس کی وجہ سے وہ بیچارہ ہر وقت پریشان رہے گا۔

ایک خاتون کی پریشانی:

ایک مرتبہ فیصل آباد سے ایک خاتون آئی، میری اہلیہ نے مجھے کہا کہ اس کی بات ضرور سنیں، بڑی پریشان ہے اور جب سے آئی ہے رو رہی ہے۔ اس کو ٹائم دیا۔ پردے میں بیٹھ کر بات کرنے لگی کہ میرا خاوند بڑا مل مالک ہے، امیر آدمی ہے، کھلا پیسہ ہے، شادی کے سات آٹھ سالوں میں اولاد کوئی نہیں ہے مگر یہ پریشانی کی بات نہیں کیونکہ خاوند میرے ساتھ خوشی کی زندگی گزار رہا ہے۔ ہم دونوں کو اس کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہے، قسمت میں ہوئی تو ہو جائے گی، نہیں تو جو اللہ کو منظور۔ خاوند مجھے بہت چاہتا ہے، محبتوں والی زندگی گزار رہے ہیں، گھر کا سارا خرچ خاوند نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ نوکروں کا خرچہ، باورچی کا خرچہ، گارڈ کا خرچہ، مالی کا خرچہ، یہ تمام اخراجات میرا خاوند خود ادا کرتا ہے۔ جتنے گھر کے بل آتے ہیں، ٹیلی فون، بجلی، گیس وغیرہ کے وہ سب میرا خاوند ادا کرتا ہے۔ گاڑیاں ہیں، ڈرائیور ہیں، کاریں ہیں، بہاریں ہیں، روٹی ہے، بوٹی ہے، اللہ نے یوں تو زندگی میں ہر سہولت دی ہے۔ میری پریشانی یہ ہے کہ میرا خاوند مجھے میرے ذاتی خرچ کے لئے ہر مہینے صرف پچاس ہزار روپیہ دیتا ہے اور میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر وہ عورت رونے لگ گئی کہ شاید میرے جیسا پریشان دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔ وہ ایسے زار و قطار رو رہی تھی جیسے کسی کی وفات پر کوئی رویا کرتا ہے۔

اس عورت کو اس عاجز نے یہ بات سمجھائی کہ آپ کی پریشانی ختم ہونے والی نظر نہیں آتی۔ آپ کا خاوند آپ کو پچاس ہزار کی بجائے ایک لاکھ روپے ماہانہ بھی دینا شروع کر دے پھر بھی آپ کی پریشانی ختم نہیں ہوگی، دو لاکھ بھی دے

دے پھر بھی ختم نہیں ہوگی، پانچ لاکھ بھی ہر مہینے دے دے پھر پریشانیاں ختم نہیں ہوں گی۔ وہ بڑی حیران ہو کر کہنے لگی کہ پیر صاحب! آپ مجھے بات سمجھائیں کیونکہ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ عاجز نے کہا کہ، بی بی! جس راستے سے آپ پریشانیوں کا حل ڈھونڈنا چاہتی ہیں اس راستے سے پریشانیوں کا حل ہوتا ہی نہیں۔ کہنے لگی کہ چاہتی تو ہوں کہ پریشانیاں ختم ہوں۔ عاجز نے کہا کہ، اگر آپ چاہتی ہیں تو اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالیں، معصیت سے خالی زندگی اختیار کریں، آپ نے گناہوں بھری زندگی سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیا ہے۔ آئندہ آپ سنت والی زندگی کو اختیار کر کے اپنے خالق کو راضی کر لیں، آپ کے مال میں برکت آئے گی، تب آپ کی پریشانیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ آپ کثرت مانگ رہی ہیں کہ وہ پچاس ہزار دیتا ہے تو ایک لاکھ دینا شروع کر دے لیکن یاد رکھنا کہ پھر بھی پریشانیاں رہیں گی۔

خیر عاجز نے یہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے بات میں برکت رکھ دی۔ لہٰذا کہنے لگی کہ میں سچی توبہ کرنا چاہتی ہوں۔ عاجز نے اس کو توبہ کے کلمات پڑھا کے رخصت کیا۔ الحمد للہ تین چار مہینوں کے بعد اس نے فون کیا، کہنے لگی کہ اب تو میں نماز کی پابند ہو گئی ہوں، برقعہ میں نے کر لیا ہے، ٹی وی چھوڑ دیا ہے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ اب تو میں اچھی خاصی مولوی بن گئی ہوں، لیکن ایک بات بڑی عجیب ہے کہ اب میرے مہینے کے خرچے پندرہ ہزار میں پورے ہو جاتے ہیں اور میری باقی رقم یتیموں اور بیواؤں کے اوپر خرچ ہوتی ہے۔

برکت سے مسائل کا حل:

آج کا عام انسان اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ میرے مسائل کا حل کثرت میں

ہے۔کوئی حکومت والا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ عوام کی کثرت میرے ساتھ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے،کوئی مال والا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ مال کی شرح آمدن زیادہ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے،فیکٹری والا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ پروڈکشن زیادہ ہوگی تو مسئلے حل ہو جائیں گے۔کثرت سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ برکت سے مسائل حل ہوا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے رزق میں برکت:

ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں برکت تھی۔حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ سے تین روپے ماہانہ مشاہرہ ملا کرتا تھا۔اس زمانے میں بہاولپور کے نواب صاحب نے ایک بڑا جامعہ بنایا، یونیورسٹی بنائی۔علما سے مشورہ کیا تو علما نے کہا، بلڈنگ آپ بنا دیں پھر آپ کو ہم ایک شخصیت بتائیں گے،اس شخصیت کو اگر آپ یہاں لے آئے تو جامعہ آباد ہو جائے گا۔اس نے کہا،ٹھیک ہے ہیرا تم چن لینا دام میں لگا دوں گا۔کیونکہ نواب صاحب کو اپنے خزانے پر بڑا مان تھا۔

جب یونیورسٹی بن گئی تو اس نے علما کو بلایا اور کہا کہ آپ کس عالم کو اس جامعہ کا سربراہ بنانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو جو کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں۔اس نے پوچھا کہ ان کا وہاں کتنا مشاہرہ ہوگا؟ کہنے لگے کہ مدرسے میں تو تین روپے ہے۔کہنے لگا کہ وفد بن کر جائیں اور میری طرف سے جا کر کہیں کہ یہاں آپ کو رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے کی ہر سہولت موجود ہوگی اور آپ کا ہر مہینے کا مشاہرہ 100 روپے ہوگا۔33 گناہ مشاہرہ بڑھ جائے گا،یوں سمجھئے کہ جیسے کوئی تین سو لے رہا ہو

اور اسے کہہ دیا جائے کہ آج سے آپ کی تنخواہ تین لاکھ ہو جائے گی ۔ علما کہنے لگے کہ نواب صاحب ! اب تو ہم انہیں کسی نہ کسی طرح لے ہی آئیں گے ۔ چنانچہ علما بڑے شوق اور دل کی خوشی کے ساتھ وہاں سے چلے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر ہی آئیں گے ، بس ہمارے بتانے کی دیر ہو گی ۔ وہاں گئے ، ملے ، بیٹھے اور کہنے لگے ، حضرت ! ہم ایک عظیم مقصد کے لئے حاضر ہوئے ہیں ۔ پوچھا ، کیا مقصد ہے ؟ عرض کیا کہ نواب صاحب نے ایک جامعہ بنایا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ کم از کم ایک لاکھ کتابوں کی لائبریری بنا دوں گا ۔ آپ کو علم سے بڑا شغف ہے ، اتنی کتابیں تو اور کہیں ایک جگہ مل بھی نہیں سکتیں ، آپ کو کل اختیار ہو گا اور آپ کا مشاہرہ بھی 100 روپیہ ہو گا ۔

حضرت نے بات سنی تو فرمایا ، میں تو بالکل ہی نہیں آ سکتا ۔ انہوں نے پوچھا ، حضرت ! وہ کیوں ؟ حضرت نے فرمایا ، کہ تین روپے اس وقت میرا دارالعلوم میں مشاہرہ ہے اور تین میں سے دو روپے میں اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہوں اور ایک روپیہ میں یتیموں ، بیواؤں اور غریبوں پر خرچ کرتا ہوں ۔ اس ایک روپیہ کے مستحق لوگوں کو ڈھونڈنے پر بھی مجھے وقت لگانا پڑتا ہے اگر میں بہاولپور آ گیا اور میرا مشاہرہ 100 روپے بن گیا تو میرا تو خرچہ دو روپے ہی رہے گا اور مجھے 98 روپے لوگوں پر خرچ کرنے پڑیں گے ۔ اس طرح تو مجھے سارا مہینہ ضرورت مندوں کو ڈھونڈنے میں لگ جائے گا ، اس لئے میں وہاں نہیں آ سکتا ۔ ایسا جواب دیا کہ پھر ان کو بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی ۔ سبحان اللہ

ہماری حالت :

آخر کیا وجہ تھی ان کے سامنے 100 روپے کی نوکری آئی تھی تو انہوں نے

دھکے دے دیئے جب کہ ہم رو رو کر دعا مانگ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ! دو روپے دیئے ہیں اب مجھے تین روپے دینا شروع کر دیجئے۔ اس طرح نہ تو پیسے ملتے ہیں نہ ہی مسئلے حل ہوتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں فرق ضرور ہے۔ ہمارے دماغوں میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ کثرت سے مسئلے حل ہوں گے اور یہ غلط فہمی ہے۔ جب تک یہ غلط فہمی ذہن سے نہیں نکلے گی تب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نہیں آئیں گی۔

ایک چپاتی کھانے کا بدلہ:

چنانچہ دنیا میں ایک بڑا امیر آدمی تھا۔ اس کی بیوی بیمار ہوگئی اور بیماری ایسی تھی کہ ڈاکٹر نے اس کو روٹی کھانے سے منع کر دیا۔ اس کے گھر میں کھانے پکتے تھے، گھر کے اندر مہمان نوازیاں ہوتی تھیں، دعوتیں ہوتی تھیں، سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی مگر کھا نہیں سکتی تھی۔ اس نے اخبار میں خبر لگوائی کہ میں اتنے کروڑ روپے اس ڈاکٹر کو دوں گی جو میرا اتنا علاج کرے کہ میں دال چپاتی دن میں ایک مرتبہ کھا لیا کروں۔

غیروں کی محتاجی:

ہم ہر چیز کی کثرت مانگتے ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں کہ شالا عمر دراز ہووی (اللہ کرے آپ کی عمر لمبی ہو جائے)۔ اچھا، اگر اللہ تعالیٰ عمر تو دے ایک سو سال کی مگر پچاس سال کی عمر میں گھٹنوں کا درد شروع ہو جائے تو باقی پچاس سال کیسے گزریں گے۔ کئی ایسے ہوتے ہیں کہ پچاس برس کی عمر میں ہی رکوع سے اٹھتے ہوئے سَمِعَ اللّٰہ کی جگہ ان کے منہ سے ''اوئی اللہ'' نکلتا ہے۔ اس شخص نے عمر مانگی 100 سال کی مگر پچاس سال میں جوڑوں کے درد کا مریض بن گیا۔ اس

طرح پچاس سال کے لئے دوسروں کا محتاج ہوگیا۔ عمر ہوئی 100 سال مگر 70 سال کی عمر میں فالج ہوگیا، اپنا ستر ڈھانپنے میں بھی دوسرے کا محتاج ہو جائے گا۔ اس 100 سال کو کیا کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ کثرت میں ہمارا حل نہیں برکت میں ہمارا حل ہے۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی صحت میں برکت:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے ایسی صحت عطا فرمائی تھی کہ ہم جیسے لوگ ان کے سامنے چوزے لگتے تھے۔ نوے سال کی عمر میں نگاہ اتنی تیز تھی کہ اگر خط پڑھنا ہوتا تھا تو عینک ہٹا کر پڑھا کرتے تھے۔ نزدیک کی بینائی اتنی صحیح تھی، نوے سال کی عمر میں سماعت کے لئے کوئی آلہ نہیں لگایا کرتے تھے، کمرے کے کونے میں بھی اگر کوئی کانا پھوسی کرتا تو حضرت سن لیا کرتے تھے، نوے سال کی عمر میں آپ کے بتیس دانتوں میں سے ایک دانت بھی نہیں گرا تھا، طاقت ایسی تھی کہ کبھی کندھے پر ہاتھ رکھ دیتے تو ہم دباؤ کی وجہ سے نیچے بیٹھتے تھے۔ کئی مرتبہ فرماتے تھے کہ مجمع میں ہے کوئی میری عمر والا۔ اکثر مجالس میں تو کوئی اتنی عمر کا ہوتا ہی نہیں تھا اگر کبھی کوئی ہوتا بھی تھا تو اس کی نہ بینائی، نہ شنوائی بلکہ کمر ٹیڑھی ہوئی ہوتی۔ حضرت فرماتے، دیکھو۔ اور عجیب بات کہ حضرت کو شوگر کی بیماری تھی۔

محافظت وضو:

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک کے ایام مری میں گزارا کرتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ روزہ افطار کیا، کھانا کھایا اور کھانا کھانے کے بعد مسجد میں تشریف لے آئے وہاں عشا کی نماز پڑھی، لمبی

تراویح تھی۔نماز کے بعد کچھ قراء حضرات آئے ہوئے تھے انہوں نے قرآن سناناتھا۔ایک مصلیٰ وہاں ایسا تھا کہ جس کے بارے میں بتایا گیا کہ اس مصلے پر 36 سال گزر گئے آج تک کسی قاری کو کوئی متشابہ نہیں لگا۔ایسے ایسے حضرات وہاں قرآن پڑھنے آتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو پھر قرآن پاک کے عاشق تھے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نفل کی نیت سے پیچھے کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ سحری کا وقت ہو گیا۔

مسجد میں سحری کا کھانا کھایا گیا،حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سب کے ساتھ مل کے کھانا تناول کیا۔کھانا کھا کے ہم لوگ تو بھاگے اور وضو کر کے جلدی آ گئے۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! فجر کی نماز میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے آپ وضو تازہ فرمالیجئے۔فرمانے لگے،میرا وضو کوئی کچا دھاگہ ہے۔ شوگر کی بیماری کے باوجود مغرب کے بعد کھانا کھا کر وضو کیا اور سحری کے کھانے کے بعد فرمایا کہ میرا وضو کوئی کچا دھاگہ ہے۔اسی وضو سے فجر کی نماز پڑھی،پھر اسی وضو سے درس قرآن دیا،اتنا لمبا درس قرآن کہ اشراق کا وقت ہو گیا۔اسی وضو سے اشراق کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد ہوٹل کے کمرے میں آ کر وضو کی تجدید فرمائی۔

صحت میں برکت:

اس عاجز نے ایک مرتبہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ کی یہ صحت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کچھ اس بارے میں ہمیں بھی فرمادیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے،کہ میں نے ایک مرتبہ لیلۃ القدر پائی اور دعا مانگی کہ اے اللہ! میری عمر میں برکت عطا فرمادے۔یہ برکت

ہے جس نے زندگی کے آخری حصے میں بھی میری صحت کو اچھا کر دیا ہے۔

معزز سامعین ! آپ بتائیں کہ ہمیں کثرت چاہئے یا برکت ؟ اگرچہ 70 سال کی عمر ہو مگر ایسی صحت ہو کہ بندہ کسی کا محتاج نہ ہو اور عبادت میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔

عمر میں برکت کا عجیب واقعہ:

ہم لوگ ایک مرتبہ قزاقستان گئے تو ہمارے ساتھ امریکہ کے بھی کچھ دوست تھے۔ ایک جگہ میزبان نے علما کو دعوت دی۔ اس نے ایک بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر سب کے سامنے رکھا۔ اب بھنا ہوا گوشت کھانا اچھا تو بڑا لگتا ہے مگر چربی ساتھ تھی۔ چربی سے تو آج کل کے نوجوان بھی گھبراتے ہیں اور ڈاکٹر بھی منع کرتے ہیں۔ ہم لوگ تو چن چن کے وہ بوٹیاں ڈھونڈتے جن کے ساتھ چربی بالکل نہ ہوتی۔ ہمارے ساتھ ایک عالم آ کر بیٹھ گئے جن کی عمر ماشاء اللہ کہیں 95 سال تھی اور وہ صرف چربی کھا رہے تھے۔ ہم لوگ جو چربی اتار کے رکھتے وہ اس کو اٹھا کے کھا لیتے۔ ہمارے لئے اس بات کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا کہ اتنی چربی؟ جب ہم پریشان ہو گئے تو انہوں نے چمچ اٹھائی اور جو چربی نیچے شوربے میں تھی وہ بھر بھر کے پینا شروع کر دی۔ چربی کی بوٹی کھاتے اور اوپر سے چربی کی چمچ پی لیتے۔ یا اللہ ! اب تو ہمارے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ اس عاجز نے پہلے ان سے سلام دعا تو کیا ہی تھا اب ذرا تھوڑی سی بات بڑھائی اور ان سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ کہنے لگے، 95 سال۔ عاجز نے پوچھا کہ صحت ٹھیک رہتی ہے؟ فرمانے لگے کہ پچانوے سال کی عمر میں آج تک میں نے اپنے ہاتھوں سے

ایک گولی بھی اپنے منہ میں نہیں ڈالی، میں نے آج تک کسی ڈاکٹر کو اپنا ہاتھ نہیں دکھایا۔ ہم لوگ ان کا منہ تکتے رہ گئے۔ یہ عمر میں برکت ہے۔

کروڑوں پتی لوگوں کے قرضے:

جب اللہ تعالیٰ مال میں برکت دیتا ہے تو جتنا مال ہوتا ہے تھوڑا یا زیادہ وہ اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کئی لوگوں کو دیکھیں گے کہ چھ سات بچے ہیں، دو تین ہزار روپے کماتے ہیں لیکن انہوں نے کسی کا قرضہ نہیں دینا ہوتا۔ دوسری طرف بعض کروڑوں پتی ہیں مگر انہوں نے بنکوں کے کروڑوں کے قرضے بھی دینے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظہ میں برکت:

آج قوت حافظہ ہے تو سہی مگر قوت حافظہ کی برکت نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ میں برکت عطا فرما دی تھی۔ چنانچہ مروان بن حکم نے ایک مرتبہ سوچا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث کی روایت فرماتے ہیں تو ہم بھی ان سے کچھ احادیث سنیں۔ اس نے دعوت دی اور دعوت کے بعد حضرت رضی اللہ عنہ جہاں بیٹھے ہوئے تھے اس نے دو بندوں کو کاغذ قلم دے کر پردے کے پیچھے بٹھا دیا اور کہا کہ ہم کچھ احادیث سنیں گے آپ دونوں وہ تمام احادیث کاغذ پر لکھ لینا۔ دو آدمی اس لئے بٹھائے کہ لکھنے والے کو بھی غلطی پیش نہ آئے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس محفل میں سو سے زیادہ احادیث سنائیں اور واپس تشریف لے گئے۔

ایک سال گزرنے کے بعد اس نے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دعوت دی۔ کھانے کے بعد پھر اسی طرح بٹھایا اور جن لوگوں نے پچھلے سال لکھا تھا ان کو کہہ

دیا کہ اب پھر لکھیں گے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی کہ ہم تو وہی احادیث سنیں گے جو آپ نے پچھلے سال سنائی تھیں۔ حضرت نے وہی ایک سو احادیث سنائیں۔ دو بندوں نے کاغذوں پر لکھی ہوئی احادیث کے ساتھ ان کو ملایا ایک حرف کا بھی کہیں فرق نظر نہ آیا۔

یہ قوت حافظہ میں برکت ہے حالانکہ یہ جنگ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور شروع شروع میں بھول جایا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھول جاتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر پھیلاؤ اور پھر اپنے دست مبارک سے ایسے اشارہ کیا جیسے کوئی چیز ڈالی، پھر کپڑے کو ایسے کیا جیسے کوئی گٹھڑی باندھ لیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن حاصل کئے۔ یہ برکت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قوت حافظہ میں عطا فرمائی تھی۔

عبداللہ ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ:

یہی قوت حافظہ کی نعمت محدثین کو نصیب ہوئی۔ عبداللہ ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اصفہان پہنچے تو وہاں کے علما نے ایک بڑے محدث کا بیٹا سمجھ کر ان کا استقبال کیا اور پھر کہا کہ ہمیں کچھ احادیث سنا دیجئے۔ چنانچہ محفلیں جاری رہیں اور انہوں نے اپنی یادداشت سے 35 ہزار احادیث ان کو سنا دیں۔

امام العسال رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ:

امام العسالؒ رجال الحدیث میں سے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے قرآن پاک کی قرأت و تجوید سے متعلق 50 ہزار روایتیں زبانی یاد ہیں۔

حضرت ابوذرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ:

ابوذرعہ رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ ان کی محفل میں ایک شاگرد آیا کرتا تھا۔ اس کی نئی نئی شادی ہوئی۔ ایک دن محفل ذرا لمبی ہوگئی تو اس کو گھر جانے میں دیر ہوگئی۔ جب وہ رات دیر سے گھر پہنچا تو بیوی الجھ پڑی کہ میں انتظار میں تھی تم نے آنے میں کیوں دیر کی؟ اس نے سمجھایا کہ میں وقت ضائع نہیں کررہا تھا میں تو حضرت کے پاس تھا۔ وہ کچھ زیادہ غصے میں تھی۔ غصے میں کہہ بیٹھی کہ تیرے حضرت کو کچھ نہیں آتا، تجھے کیا آئے گا۔ استاد کے بارے میں بات سن کے تو یہ نوجوان بھی بھڑک اٹھا۔ نوجوان لوگ ہوتے تو آگ ہی ہیں، تیلی لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے ماچس کی ڈبیا ہوتی ہے بس رگڑ لگنے کی دیر ہوتی ہے آگ تو پہلے سے اندر ہوتی ہے۔ نوجوانوں کا نفس بھی ایسا ہوتا ہے کہ بیچارے بازار سے گزرتے ہیں آنکھ اٹھتے ہی بس رگڑ لگتی ہے اور شہوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

آمدم برسر مطلب جب بیوی نے یہ کہا کہ تیرے استاد کو کچھ نہیں آتا تجھے کیا آئے گا تو یہ سن کر نوجوان کو بھی غصہ آیا اور کہنے لگا کہ اگر میرے استاد کو ایک لاکھ احادیث یاد نہ ہوں تو تجھے میری طرف سے تین طلاق ہیں۔ اب غصے میں فائرنگ تو دونوں طرف سے ہوگئی۔ ٹھیک ٹھیک نشانے لگائے گئے۔

صبح اٹھ کر ذرا دماغ ٹھنڈے ہوئے تو سوچنے لگے کہ ہم نے تو بہت بڑی بے وقوفی کی۔ بیوی نے خاوند سے پوچھا کہ میری طلاق مشروط تھی اب بتائیں کہ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تو استاد صاحب سے پوچھنا پڑے گا۔ اس نے کہا کہ جائیں پتہ کر کے آئیں۔ چنانچہ یہ نوجوان اپنے استاد کے

پاس پہنچا اور کہا کہ رات یہ واقعہ پیش آیا، اب آپ بتایئے کہ نکاح سلامت رہا یا طلاق واقع ہو چکی ہے۔ ان کے استاد یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمانے لگے کہ جاؤ تم میاں بیوی والی زندگی گزارو۔ کیونکہ ایک لاکھ احادیث مجھے اس طرح یاد ہیں کہ جس طرح لوگوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ قوت حافظہ میں برکت تھی۔ علم کی برکت تھی جو اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی تھی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں منیٰ کے بازار میں تھا۔ ایک بوڑھے آدمی نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ تجھے اللہ کا واسطہ، تو میری دعوت کو قبول کر لے۔ فرماتے ہیں کہ میں نوجوان تھا، اٹھتی جوانی تھی، میں نے دعوت قبول کر لی۔ اس بوڑھے نے اسی وقت اپنی گٹھڑی کھولی اور اس میں جو کچھ بھی گڑ وغیرہ تھا اٹھا کے دستر خوان پر رکھ دیا۔ کہنے لگا کہ کھائیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے بے تکلفی سے کھانا شروع کر دیا۔ وہ بڑے میاں تھوڑی دیر مجھے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے، لگتا ہے کہ تو قریشی ہے۔ میں نے کہا، ہوں تو سہی لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا۔ کہنے لگا کہ قریشی لوگ دعوت دینے میں بھی بے تکلف ہوتے ہیں اور قبول کرنے میں بھی بے تکلف ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔

میں نے کھانے کے دوران ان سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ کہنے لگے، مدینہ سے حج کرنے آئے ہیں۔ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں پوچھیں، انہوں نے کچھ سنائیں۔ جب انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں میرا شوق اور جذبہ دیکھا تو مجھے کہنے لگے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کریں؟ میں نے کہا، ہاں۔ کہنے لگے کہ یہ جو

زرد رنگ کا اونٹ کھڑا ہے یہ خالی ہے۔ ہم نے کل مدینے جانا ہے، اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ اونٹ ہم آپ کے حوالے کر دیتے ہیں، آپ آرام سے مدینے پہنچ جائیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ میں اس اونٹ پر سوار ہو کر مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے میں ہمیں سولہ دن لگے اور سولہ دن میں میرے سولہ قرآن مجید مکمل ہو گئے۔ آج کل کئی لوگوں کو پریشانی ہوتی کہ ایک دن میں ایک قرآن کیسے پڑھ لیا۔

روزانہ تیس پاروں کی تلاوت:

قریب کے زمانے کی بات سن لیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے خود "یادِ ایام" میں اپنے بارے میں لکھوایا ہے کہ جن دنوں محراب (مصلیٰ) سناتا تھا یعنی تراویح پڑھاتا تھا تو میرا معمول تھا کہ جو پارہ پڑھنا ہوتا میں اسے دن میں تیس مرتبہ پڑھ لیا کرتا تھا۔ اس طرح ایک قرآن پاک کی تلاوت کے برابر تلاوت ہو جاتی۔ یہ تو قریب کے زمانے کے لوگ ہیں جن کی ان گنہگار آنکھوں نے بھی زیارت کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال حافظہ:

آج کل تو حاجی حضرات آٹھ دن مسجد نبوی میں گزار کے آتے ہیں اور ایک قرآن پاک پڑھ کے محبوب ﷺ کو تحفہ دے کر نہیں آتے۔ بے عملی کا یہ حال ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب میں مسجد نبوی پہنچا تو دیکھا کہ نماز کے بعد ایک بڑی عمر کے آدمی ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ایک چادر باندھی ہوئی تھی دوسری اوپر لپیٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کہنا شروع کر دیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ وہ

دن تھے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی املا کروا رہے تھے، میں بھی بیٹھ گیا۔ میرے پاس لکھنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے سننا شروع کر دیا۔ مجھے اپنے سامنے ایک تنکا پڑا نظر آیا تو میں نے تنکا اٹھا لیا اور تنکے سے اپنی ہتھیلی کے اوپر وہی الفاظ لکھنے شروع کر دیئے۔ دوسرے لوگ تو قلم کے ساتھ کاغذوں پر لکھ رہے تھے اور میں اس تنکے کے ساتھ اپنی ہتھیلی پر لکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی میں وہ تنکا زبان سے لگا لیتا جیسے کہ قلم کو دوات میں ڈال کر سیاہی لگاتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے 127 احادیث اس محفل میں لکھوائیں حتیٰ کہ اگلی نماز کا وقت قریب ہو گیا تو انہوں نے محفل موقوف کر دی۔ میں چونکہ ان کے قریب بیٹھا تھا اور میرے اوپر ان کی نظر بھی تھی اس لئے انہوں نے مجھے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ جب میں قریب آیا تو پوچھا، نوجوان! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ مکہ مکرمہ سے آیا ہوں۔ میرا نام محمد ابن ادریس ہے۔ پوچھنے لگے کہ آپ ہتھیلی پہ کیا لکھ رہے تھے؟ عرض کیا کہ حدیث پاک۔ کہنے لگے، دکھاؤ۔ جب ہتھیلی دیکھی تو صاف، کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کہنے لگے کہ اس پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا۔ میں نے کہ میں تو اپنے منہ سے نمی لے کر اس کے ساتھ لکھ رہا تھا۔ فرمانے لگے کہ یہ تو حدیث پاک کے ادب کے خلاف ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت! بات یہ ہے کہ میں مسافر ہوں، میرے پاس نہ کاغذ ہے نہ قلم۔ میں ظاہراً ایک عمل کر رہا تھا کہ جیسے املا کر رہا ہوں مگر حقیقت میں تو میں اپنے دل پر لکھ رہا تھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یہ تو تب مانیں جب ان میں سے دس احادیث صحیح متن اور سند کے ساتھ سنا دو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی حدیث سے سنانا شروع کیا ایک سو ستائیس

احادیث متن، سند اور اسی ترتیب کے ساتھ ساتھ ان کو سنا ڈالیں۔ تو یہ کیا چیز تھی؟ یہ قوت حافظہ میں برکت تھی۔ ایک مرتبہ سننے سے ہی احادیث زبانی یاد ہوگئیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ:

قریب کے زمانے میں ہمارے اکابرین علما دیو بند ارجمند کے علوم میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا کی تھی۔ ایک مرتبہ شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ بارش کا موسم ابھی ختم ہوا ہے اور بارش کے موسم میں کتابوں کو نمی کی وجہ سے دیمک لگنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے تو بہتر ہے کہ ہم یہ کتابیں باہر دھوپ میں رکھ دیں، اچھی طرح دھوپ لگ جائے گی تو اندر رکھ دیں گے۔ اگر کسی کی جلد خراب ہوئی اور صفحہ درست نہ ہوا تو اسے بھی ٹھیک کر دیں گے۔ چنانچہ وہ شاگرد یہ کام کرنے لگ گیا۔

اس زمانے میں زیادہ کتابیں مخطوطہ ہوتی تھیں۔ شاگرد نے ایک کتاب نکالی اور کہنے لگا، حضرت! اس کے تو پانچ چھ صفحے دیمک نے چاٹ لئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس جگہ پانچ چھ صفحے سفید لگا دو۔ اس نے سفید کاغذ لگا کے دھوپ میں رکھ دیا۔ جب خشک ہوگئے تو کہنے لگا، حضرت! اب کیا کروں؟ فرمانے لگے، بھئی! جو عبارت موجود نہیں ہے وہ اس پر لکھ دو۔ اس نے کہا، حضرت! میں نے تو یہ کتاب پچھلے سال پڑھی تھی، مجھے تو زبانی یاد نہیں۔ فرمانے لگے، اچھا! پچھلے سال پڑھی ہوئی کتاب زبانی یاد نہیں۔ بتاؤ کونسی کتاب ہے؟ اس نے کہا میبذی۔ حالانکہ یہ کتاب چھوٹی سی ہے، لیکن مشکل کتابوں میں سے ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہاں سے کتاب کی عبارت منقطع ہوئی

ہے؟ اس نے آخری لفظ بتایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آگے لکھوانا شروع کر دیا۔ اسی جگہ بیٹھے ہوئے عبارت کچھ صفحے اپنی یادداشت سے زبانی لکھوا دیئے۔ یہ علم کی برکت تھی ۔کتاب پڑھے ہوئے سالوں گزر جاتے تھے مگر عبارت یاد رہتی تھی۔

ایک دینار کی برکت:

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید بڑا پریشان ہو کر کہنے لگا حضرت! حج کا ارادہ ہے لیکن کچھ بھی پاس نہیں۔ فرمایا، حج پر جاؤ اور میری طرف سے یہ دینار لے کر جاؤ۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دینار لے کر باہر نکلا۔ ابھی بستی کے کنارے پر ہی تھا تو دیکھا کہ ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اس نے بھی قافلے والوں کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ پوچھا، بھئی! بتاؤ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ حج پر جا رہے ہیں۔ اس نے کہا، میں بھی حج پر جا رہا ہوں مگر میں تو پیدل چلوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ ایک آدمی نے ہمارے ساتھ جانا تھا وہ بیمار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گیا ہے، اس کا اونٹ خالی ہے، آپ اس پر سوار ہو جایئے۔ یہ شخص اونٹ پر بیٹھ گیا۔ اب جہاں قافلے والے رکتے اور کھانا پکاتے اس کو مہمان سمجھ کر ساتھ کھلاتے۔ پورا حج کا سفر اس نے اسی طرح طے کیا ۔آخر کار ان کے ساتھ حج کر کے واپس آیا اور بستی کے کنارے پر انہوں نے اسے اتارا۔ اس کو کہیں بھی پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا، حضرت! عجیب حج کیا، میں تو مہمان ہی بن کر پھرتا رہا اور اب یہاں پہنچ گیا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارا کچھ خرچ ہوا؟ عرض کیا، کچھ بھی خرچ نہیں ہوا۔ فرمانے لگے

کہ، میرا دینار واپس کر دو۔ اللہ والوں کا ایک دینار بھی خرچ نہیں ہوتا۔ برکت ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دینار کو خرچ ہی نہیں ہونے دیتے۔ یہ مال میں برکت تھی جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دی تھی۔

ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ چوک قریشی والے اپنے آپ کو بکڑوال کہا کرتے تھے۔ بہت بڑے شیخ تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ مسجد میں بیٹھ کر با وضو سنایا اور اس عاجز نے مسجد میں بیٹھ کر با وضو سنا۔ اب مسجد میں با وضو آپ حضرات کو سنا رہا ہوں، پوری ذمہ داری کے ساتھ، الفاظ میں تبدیلی تو ہو سکتی ہے مفہوم میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ سمجھ گئے تو یہ روایت بالمعنی ہے کہ مفہوم بالکل وہی ہوگا الفاظ اپنے ہوں گے۔

فرمانے لگے کہ میں اللہ اللہ کیا کرتا تھا اور اپنے شیخ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بکریاں خود بھی کھاتیں اور میں بھی گھاس توڑ توڑ کر ان کو کھلاتا۔ جب بکریاں واپس آتیں تو میں شام کو گھاس کی ایک گٹھڑی بھی سر پر لے آتا تاکہ رات کو بھی بکریاں گھاس کھائیں۔ میرے دوست احباب تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بیٹھتے اور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

ایک دفعہ خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ تم عبدالمالک کو خلافت دے دو۔ فرماتے ہیں کہ جب خلافت ملی تو میں بہت حیران ہوا کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ ایک دو گھنٹہ تو روتا ہی رہا۔ دوسرے خلفا نے تسلی دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بوجھ سر پر رکھا ہے تو اٹھانے کی توفیق بھی دیں گے۔ کہنے لگے کہ میں نے اپنے دل میں نیت کر لی کہ میں تو کچھ بھی نہیں

ہوں ۔ اگر چہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ امانت دے دی ہے ۔ مگر میں یہ آگے کسی کو دینے کا اہل نہیں اس لئے میں کسی شخص کو بیعت نہیں کروں گا ۔ اسی طرح حضرت کی خدمت میں ایک سال گزر گیا ۔

ایک دفعہ سردیوں کے موسم میں آگ سینک رہے تھے کہ میری طرف غصے سے دیکھا ۔ میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی ۔ میں نے پوچھا حضرت ! خیریت تو ہے ؟ فرمانے لگے کہ ابھی ابھی مجھے کشف میں نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ہے ۔ محبوب ﷺ نے فرمایا ہے کہ عبدالمالک سے کہو کہ اس نعمت کو تقسیم کرے ورنہ ہم اس نعمت کو واپس لے لیں گے ، اور چونکہ محبوب ﷺ کی طرف سے یہ حکم ہے اس لئے تم اپنا بستر اٹھاؤ اور جیسے ہی اندھیرا ختم ہو اپنے گھر جاؤ ۔ وہاں جا کے لوگوں کو اللہ اللہ سکھاؤ ۔ میں تو روتا رہ گیا اور حضرت نے میرا سامان میرے سر پر رکھا اور خانقاہ سے رخصت کر دیا ۔ فرمانے لگے کہ میں نے نکلتے نکلتے کہا حضرت ! میں اب کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ اتنے سال ذکر اذکار میں گزار دیئے ، اس لئے میرے لئے رزق کی دعا فرما دیں ۔ فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے) میرے قریبی تعلق داروں اور رشتہ داروں میں کوئی ایک رشتہ گھر والوں نے پہلے ہی طے کیا ہوا تھا ۔ چنانچہ گھر آتے ہی ماں باپ نے میری شادی کر دی ۔ شادی بھی عجیب کہ اس کے بعد کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ ہوتا ہی نہیں تھا ۔ بیوی مجھے ایسی صابرہ ملی کہ وہ مجھے کہتی کہ آپ درخت کے پتے ہی لے آئیں ۔ میں درخت کے پتے لاتا وہ بھی کھا لیتی میں بھی کھا لیتا اور ایک وقت کا گزارہ کر لیتے ۔

ایک دن میرا ایک پیر بھائی میرے گھر آیا۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا ہوا تھا۔ جب وہ آنے لگا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک چھوٹی سی دس کلو گندم کی بوری دی اور ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ یہ عبد المالک کو دے دینا۔

وہ دوپہر کو میرے گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ پسینے میں شرابور بوری سر پر اٹھائی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا، سناؤ بھئی! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا، خانقاہ شریف۔ وہ یہ سمجھا کہ پوچھ رہے ہیں کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اب میں کچھ پوچھ رہا تھا وہ کچھ بتا رہا تھا۔ میں نے اسے بٹھایا کہ یہ خانقاہ شریف جا رہا ہے اور لنگر کے لئے یہ گندم لے کر جا رہا ہے۔ گھر آ کر بیوی سے کہا کہ مہمان کے لئے کھانا دو۔ اس نے کہا کہ گھر میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر بیوی سمجھدار تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ اگر وہ حضرت کی خانقاہ کے لئے گندم لے کے جا رہا ہے تو اس سے جا کے اجازت مانگ لو کہ ہم اس گندم میں سے تھوڑی سی پیس لیں۔ پھر اس آٹے کی روٹی پکا کر اس کو کھلا دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اس میں بھلا کونسی شرم کی بات ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اگر اجازت ہو تو اسی گندم میں سے تھوڑی سے روٹی بنا دی جائے۔ وہ فرمانے لگے کہ میں یہ سمجھا کہ گندم تو گھر میں بھی پڑی ہے لیکن چونکہ آپ میرے حضرت سے لائے ہیں تو برکت کے لئے ہم اسی میں سے روٹی پکا دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہاں اسی میں سے پکا دیں۔ میں نے اس میں سے تھوڑی سی گندم لی، بیوی کو دی، اس نے چکی میں ڈالی اور آٹا نکال کر اور چکی کے پاٹوں کو اچھی طرف صاف کر کے پورے آٹے کی روٹی پکا کر سامنے رکھ دی۔

جب مہمان نے روٹی کھالی تو ہم نے اسے لسی پلا کے سلا دیا۔ سونے کے بعد

جب وہ اٹھا تو اس نے ایک رقعہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بھی حضرت نے دیا ہے۔ تب بات سمجھ میں آئی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ گندم کی چھوٹی سی بوری اس عاجز کی خانقاہ کے لئے دی تھی۔ کہنے لگے کہ میں خانقاہ کا لفظ سن کے حیران ہوا۔ خود کھانے کو ملتا نہیں اور لنگر کے لئے گندم آئی ہے۔ میں نے بیوی کو جا کر بتایا۔ کہنے لگی کہ پڑھو تو سہی لکھا کیا ہے۔ میں نے پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ عبدالمالک! تم اللہ اللہ کرو اور کراؤ اور اس گندم کو کسی بند جگہ میں ڈال دو اور اس رقعے کو بھی اسی میں ڈال دینا اور ایک سوراخ بنا لینا اور اس میں سے تم گندم نکال کر استعمال کرنا، یہ تمہارے لنگر کے لئے ہے۔ نیچے لکھا ہوا تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْن o (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

میری بیوی نے ایک بند جگہ میں وہ گندم ڈال دی۔ اوپر سے ڈھکنا اچھی طرح بند کر دیا۔ میری بیوی نے اس کے نیچے گندم نکالنے کے لئے سوراخ بنا دیا۔ وقتاً فوقتاً وہ اس میں سے کچھ گندم نکالتی اور استعمال کرتی۔ الحمدللہ آج اس گندم کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں چالیس سال گزر گئے ہیں۔ آج بھی میری خانقاہ میں دو تین سو سالکین تک کا روزانہ مجمع رہتا ہے اور سال کے آخر پر ہزار سے زیادہ لوگ اجتماع میں شریک ہوتے ہیں۔ چالیس سال سے ہم لوگ اسی گندم کو استعمال کر رہے ہیں۔

برکت میں کمی:

آج برکت کی کمی کی وجہ سے ہم مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارے اعمال میں اور مال میں برکت نہیں ہوتی۔ بعض لوگ اپنے کاروبار کی بات کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت! پیسہ آنے کا تو پتہ چلتا ہے مگر جانے کا پتہ نہیں چلتا، سمجھ نہیں آتی۔ حضرت! پہلے تو مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے تو سونا بن جاتی تھی اور اب تو سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں مٹی بن جاتا ہے۔ ایک وقت تھا لاکھوں روپے لوگوں سے لینے تھے مگر آج لاکھوں دینے ہیں۔

ایک عبرتناک واقعہ:

ایک آدمی کو اللہ نے اتنی زرعی زمین دی کہ تین ریلوے اسٹیشن اس کی زمین میں بنے ہوئے تھے۔ یعنی پہلا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں دوسرا بھی اس کی زمین میں اور تیسرا بھی اس کی زمین میں تھا۔ اتنی جاگیر کا مالک کروڑوں پتی بندہ تھا۔ ایک مرتبہ دوستوں کے ساتھ شہر کے مرکزی چوک میں کھڑا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ دوستوں نے کہا کہ کاروبار کی کچھ پریشانیاں ہیں۔ وہ ذرا موڈ میں آکے کہنے لگا ''او! بھوکے ننگو، تمہارے پلے ہے ہی کیا''۔ کبھی کبھی جب پیٹ بھر کھانے کو مل جاتا ہے نا تو بندہ خدا کے لہجے میں بولنا شروع کر دیتا ہے۔ اس نے دوستوں کو کہا کہ تم پریشان رہتے ہو کہ آئے گا کہاں سے اور میں تو پریشان پھرتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ۔ بس یہ عجب کا بول اللہ تعالیٰ کو ناپسند آگیا۔ بیمار ہو گیا اور چند مہینوں کے بعد خود تو دنیا سے رخصت ہوا اور ایک بیٹا پیچھے چھوڑا۔ جوان العمر بیٹا جب سر پر باپ نہیں اور کروڑوں کا سرمایہ ہاتھ میں ہے تو پھر اس کے کئی الٹے سیدھے دوست بن گئے۔ اس کو انہوں نے شراب اور شباب والے کاموں میں لگا دیا۔ اب جوانی بھی لٹ رہی ہے، مال بھی لٹا رہا ہے، وہ اپنی مستیاں اڑا رہا ہے۔ کسی

نے اس کو یہاں سے لاہور کا راستہ دکھا دیا، پھر کسی نے لاہور سے کراچی کا راستہ دکھا دیا، کسی نے اس کو جوئے خانے کا راستہ دکھا دیا۔ کسی نے کہا کہ کیا تم پاکستان میں پڑے ہو چلو باہر کسی ملک چلتے ہیں۔ اس نے اسے بنکاک کا راستہ دکھا دیا۔ پانی کی طرح اس نے پیسہ بہایا اور جوئے میں تو پھر کروڑوں ہارے۔ حتیٰ کہ جتنا بنک میں تھا سارا لگ گیا۔ زمینیں بکنا شروع ہو گئیں۔ آہستہ آہستہ ایک ایک مربع زمین بکتی گئی اور وہ لگاتا گیا۔ ایک وہ وقت آیا جب ساری زمینیں بک گئیں، پھر وہ وقت آیا کہ وہ نوجوان جس گھر میں رہتا تھا اس کو وہ گھر بھی بیچنا پڑا۔ اب اس کے پاس اپنا گھر نہیں تھا، کھانے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ جس جگہ پر اس کے باپ نے بڑا بول بولا تھا اس کا بیٹا اسی جگہ پر آ کر کھڑا ہوتا اور لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔ اللہ اکبر کبیراً

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

رزق کی برکت کی ایک عجیب مثال:

اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہمارے مسائل کا حل برکت میں ہے۔ مال کی برکت، رزق کی برکت، عمر کی برکت، وقت کی برکت، علم میں برکت غرض جس چیز میں بھی اللہ تعالیٰ برکت دے دیں گے وہ چیز اس کی ضرورت سے زیادہ ہو جائے گی۔ چنانچہ ہمارے ایک بزرگ تھے ان کے بیٹے نے کہا کہ ابا جی! برکت کا لفظ تو بڑا سنتے رہتے ہیں مجھے وضاحت سے سمجھائیں کہ یہ برکت ہے کیا؟ فرمانے لگے کہ ادھر آؤ۔ چنانچہ وہ اسے لے گئے اور اپنے گھر کا گیزر دکھایا۔ فرمانے لگے کہ یہ برکت ہے۔ وہ گیزر دیکھ کے بڑا حیران ہوا، کہنے لگا ابا جی! یہ برکت کیسے ہو گئی۔ وہ کہنے لگے کہ بیٹا! آپ کی عمر بیس سال ہے اور آپ کی پیدائش سے

پہلے میں نے یہ گیزر لگوایا تھا۔آج تک اس میں خرابی نہیں آئی۔اسی کو رزق میں برکت کہتے ہیں۔تیس تیس سال تک چیزیں خراب ہی نہیں ہوتیں، ڈاکٹر کے پاس جانا بندے کو یاد ہی نہیں ہوتا، کبھی سر میں بھی درد نہیں ہوتا۔یہ رزق کی برکت ہوتی ہے۔

اسلاف کی زندگیوں میں برکت:

ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں برکت تھی۔اسی لئے ان کو دو روپے کافی ہوتے تھے اور تیسرا روپیہ جو مدرسے سے ملتا تھا وہ بھی غریبوں میں صدقہ کر دیتے تھے یا وہ بھی اسی دارالعلوم میں واپس دے دیا کرتے تھے۔اور آج تو سلیمان علیہ السلام کی مچھلی کی طرح ہم نے منہ کھولے ہوئے ہیں بس رزق ڈالا جارہا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ هَلْ مِنْ مَّزِيْد (اور ہے، اور ہے)

صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے رزق میں برکت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مال میں اللہ رب العزت نے اتنی برکت دی تھی کہ ایک بندہ مدینہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلتا کہ میں کسی مستحق کو دے سکوں۔سارا دن مدینے میں پھرتا، لوگوں سے پتہ کرتا مگر اسے ایک بندہ بھی زکوٰۃ کا مستحق نظر نہیں آتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے سب کے رزق میں برکتیں دے رکھی تھیں۔سب لینے کی بجائے دینے والے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے رزق اور اولاد میں برکت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے دعا دی کہ اللہ! اس کے رزق اور اولاد میں برکت عطا فرما۔محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ایسی

پوری ہوئی کہ میرے پاس اتنا مال تھا کہ سونے کی اینٹوں کو میں لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے سے توڑا کرتا تھا۔ ماشاء اللہ۔ فرماتے تھے کہ میرے گھر میں درہم و دینار کا اتنا ڈھیر لگ جایا کرتا تھا کہ اس کے پیچھے بندہ چھپ جایا کرتا تھا۔ اللہ تیری شان، اولاد اتنی کہ میں نے اپنی زندگی میں ایک سو سے زیادہ پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ سبحان اللہ،

برکتوں کا حصول کیسے ممکن ہے؟

اگلا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ یہ برکت ہماری زندگی میں کیسے آئے گی؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا (اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے) لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (ہم آسمان اور زمین سے ان کے لئے برکتوں کے دروازوں کو کھول دیتے)۔ تو معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری سے انسان کی زندگی میں برکتیں آتی ہیں اور جب انسان پرہیزگاری کی بجائے گناہگار بن جاتا ہے تو پھر برکتوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اب اس دروازے کو کھولنے کا سوچ ہمارے ہاتھ میں ہے، اس دروازے کو کھولنے کی کنجی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم اگر گناہوں والی زندگی گزاریں گے تو دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر ہم پرہیزگاری والی زندگی گزاریں گے تو دروازہ کھل جائے گا۔

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

شکوے اللہ تعالیٰ کے کرتے پھرتے ہیں اور یہ پتہ نہیں کہ برکتوں کو تو ہم نے روکا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ برکتیں دیتے ہیں لیکن گناہ ان برکتوں کو پیچھے ہٹا دیتے

ہیں۔

پریشانیوں کی بارش:

یوں سمجھئے کہ پریشانیوں کی بارش ہو رہی ہے اور اللہ رب العزت کی رحمت کی چادر نے ہمیں پریشانیوں کی اس بارش سے بچایا ہوا ہے۔ لیکن جب ہم گناہ کرتے ہیں تو اس چادر میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے۔ جتنے گناہ کرتے ہیں اتنے سوراخ ہوتے جاتے ہیں۔ اتنے سوراخوں سے پریشانیاں ہمارے اوپر آتی ہیں۔ کئی لوگوں نے تو اس کو چھلنی بنایا ہوا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ پریشانیوں کی بارش بڑی تیز ہے۔ حضرت! اللہ تعالیٰ ہماری دعا سنتا نہیں، پریشانیوں کے اندر ہم تو ہر وقت ڈوبے پڑے ہیں۔

برکت مانگنے کا طریقہ:

انسان سچی توبہ کرے، اپنے گناہوں سے معافی مانگے، پروردگار عالم کے در پہ آ کے روئے، معافی مانگے کہ رب کریم! مجھ سے خطا ہوئی، میں بھولا رہا، میرے مالک! مجھے معاف کر دیجئے، میں بہت پریشان حال ہوں، میں کس کس کو اپنے دکھڑے سناؤں گا، میرے پروردگار! مخلوق کے سامنے ذلیل ہونے سے بچا لیجئے اور اپنے در پر ہی سب کچھ مجھے عطا فرما دیجئے۔ جب انسان اس طرح توجہ کے ساتھ اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیں گے تاکہ آئندہ اس کی زندگی میں برکت عطا فرمائیں گے۔

ہمیں اللہ رب العزت کے سامنے آج کی اس محفل میں سچی توبہ کرنی ہے،

معافی مانگنی ہے تا کہ ہم دین کا کام کریں، نیکی کا کام کریں، تقویٰ اور طہارت کی زندگی گزاریں، اپنے رب کی یاد والی زندگی گزاریں اور در در کے دھکے کھانے سے ہماری جان چھوٹ جائے۔

دعا مانگنے کی شرائط:

مانگنے کی بھی کچھ شرائط ہوتی ہیں۔ اگر ایک آدمی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا دے اور اپنا منہ دوسری طرف کر لے تو وہ کچھ دے گا؟ نہیں بلکہ اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارے گا۔ ہمارا حال یہی ہوتا ہے کہ ہم دعا پڑھ رہے ہوتے ہیں اور دل کی توجہ کہیں اور ہوتی ہے۔ یاد رکھیں! دعائیں پڑھنے سے قبول نہیں ہوتیں دعائیں مانگنے سے قبول ہوا کرتی ہیں۔ آج ہم میں سے اکثر دعائیں پڑھنے والے ہیں۔

دعا مانگنا اسے کہتے ہیں جب دل سے نکل رہی ہو۔ یاد رکھنا! اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَا (میرا پروردگار دعا کو یقینی بات ہے کہ سنتا ہے)۔ بلکہ زبان سے نکلے الفاظ کو ہی نہیں وہ دل سے نکلی دعا کو بھی سنا کرتا ہے۔ پروردگار سنتا ہے خدا کے بندو! انسانوں کے دل گونگے ہوتے ہیں وہ پروردگار سے کچھ مانگتے ہی نہیں۔ جب دل مانگے گا پروردگار اسی وقت عطا کرے گا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حفاظت قرآن

''قرآن'' کتاب کو کہتے ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہو جبکہ ''کتاب'' ایسے کلام کو کہتے ہیں جو کہ کاغذ کے اوپر لکھا ہوا کتابی شکل میں محفوظ ہو قرآن مجید کی حفاظت بھی انہی دو طریقوں سے ہو گی۔ ایک بار بار پڑھنے سے سینے میں قرآن محفوظ ہو گا۔ دوسرا لکھا ہوا قرآن کتاب کے سفینوں میں محفوظ ہو گا۔

حفاظت قرآن

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ o سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

قرآن مجید کے دو ذاتی نام:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ (اس نصیحت نامے کو ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہم ہیں)۔علمائے کرام نے قرآن مجید کے پچپن صفاتی نام گنوائے ہیں مگر قرآن مجید کے دو نام ذاتی ہیں جو قرآن ہی سے ثابت ہیں۔ایک نام قرآن جیسے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ اور دوسرا نام کتاب ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ۔قرآن مجید کے یہ دو ذاتی نام ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ایک ہی آیت میں ان دونوں ناموں کو اکٹھا بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ o فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ o لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔قرآن مجید کے یہ دونوں نام ہمیں پیغام دے رہے ہیں کہ اس کی حفاظت کے دو طریقے ہیں۔

دو طریقوں سے قرآن مجید کی حفاظت:

''قرآن'' ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہو، بہت زیادہ پڑھی جاتی ہو ، جس کا تعلق پڑھنے سے ہو۔ جب کہ ''کتاب'' ایسے کلام کو کہتے ہیں جو کاغذ کے اوپر لکھا ہوا کتابی شکل میں محفوظ ہو۔ قرآن مجید کی حفاظت بھی انہی دو طریقوں سے ہوگی۔ ایک بار بار پڑھنے سے سینوں میں قرآن محفوظ ہوگا اور دوسرا لکھا ہوا قرآن کتاب کے سفینوں میں محفوظ ہوگا۔

تاتاری فتنہ میں مسلمانوں کا قتل عام:

اس امت میں قرآن مجید شروع سے لے کر آج تک محفوظ رہا ہے۔ اس دوران مسلمانوں پر زوال کا وہ وقت بھی آیا کہ جب پوری دنیا میں ان کے پاس حکومت نہیں تھی۔ تاتاری فتنے کے دوران بغداد کے اندر ایک دن میں دو لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ دریاؤں کے پانی کا رنگ سرخ ہوگیا تھا۔ دریائے فرات اور دریائے دجلہ میں اتنی کتابیں ڈالی گئیں کہ ایک مہینہ تک پانی کالے رنگ کا ہوکر چلتا رہا۔ اتنی کتابیں ڈالی گئیں کہ کتابوں کا ایک پل بن گیا جس کے اوپر سے ان کی سواریاں گزرا کرتی تھیں۔ دریا میں کتابوں کا پل بن جانا کوئی چھوٹی سی بات تو نہیں، کتنی ہی کتابیں ڈالی گئی ہوں گی۔

نور کا خزینہ:

اس دوران کفار نے بڑی کوشش کی کہ مسلمانوں سے ان کی کتاب (قرآن مجید) کو چھین لیا جائے۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کو تو انہوں نے دریا میں ڈال دیا مگر سات سال کا ایک بچہ کھڑا ہوا، اس نے بسم

اللہ سے پڑھنا شروع کر دیا اور والناس تک پڑھتا چلا گیا۔ اب ان کو پریشانی ہوئی کہ بچے کے سینے سے اس قرآن مجید کو کیسے نکالیں؟ بچے کا سینہ نور کا خزینہ بن چکا تھا۔

عیسائی اور یہودی عالم کی شکست:

اس عاجز کو بیرون ملک میں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کا موقع ملا جہاں عیسائیوں کا پادری بھی بیٹھا ہوتا تھا، یہودیوں کا ربائی بھی ہوتا تھا اور ہندوؤں کا پنڈت بھی ہوتا تھا۔ گویا مختلف مذاہب کے عالم ہوتے تھے اور ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب کے بارے میں بات کرنی ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی نے پوچھا کہ آئندہ جب ہماری محفل ہوگی تو ہمیں اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ اس عاجز نے کہا کہ ہر ہر مذہب والے کے پاس جو ''اللہ کا کلام'' ہے اس کی تلاوت کرنی چاہیے اور پڑھ کر سمجھانا بھی چاہیے کہ اس کا خلاصہ کیا ہے۔ اس بات پر سب آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ جب اگلی دفعہ پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے مجھے ہی کہا کہ آپ ہی ابتدا کریں۔ اس عاجز نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور اس کا خلاصہ بھی انہیں سمجھایا کیونکہ یہ فاتحۃ الکتاب ہے۔ عاجز کے بعد عیسائی کی باری تھی۔ اس نے بائبل پڑھنی شروع کی۔ جب اس نے بائبل پڑھی تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے ایک بات کی وضاحت مطلوب ہے۔ وہ کہنے لگا، کیا وضاحت مطلوب ہے؟ میں نے کہا، آپ بائبل کس زبان میں پڑھ رہے ہیں؟ کہنے لگا، انگریزی زبان میں۔ میں نے کہا، آپ اللہ کا کلام پڑھیں، اللہ کا کلام انگریزی زبان میں تو نازل نہیں ہوا تھا، چونکہ یہ بات طے ہوئی تھی کہ ہر مذہب والے کے پاس جو اللہ کا کلام ہے

وہ پڑھیں گے اس لئے آپ اللہ کا کلام پڑھیں ۔ وہ کہنے لگا ، جی وہ تو ہمارے پاس نہیں ہے ، ہمارے پاس تو فقط اس کا انگلش ترجمہ ہے جو کہ انسانوں کے الفاظ ہیں ۔ آگے یہودی بیٹھا تھا وہ کہنے لگا کہ پھر تو ہمارے پاس بھی اللہ کا کلام نہیں ہے ۔ میں نے پوچھا ، کیوں ؟ وہ کہنے لگا کہ جس زبان میں ہماری یہ کتاب نازل ہوئی آج وہ زبان بھی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے ، اس زبان کو پڑھنے اور سمجھنے والے ہی موجود نہیں تو وہ کتاب کیسے پڑھیں ۔

بالآخر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پوری دنیا کے ادیان میں سے صرف دین اسلام والے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس اللہ رب العزت کا کلام اصل شکل میں آج تک موجود ہے ۔ جب اس عاجز نے انہیں بتایا کہ اس کتاب کے ہمارے ہاں حافظ بھی موجود ہیں تو وہ بڑے حیران ہوئے ۔ عاجز نے کہا کہ آپ کی کتاب کے کسی ایک صفحے کا کوئی حافظ ہو تو مجھے دکھائیں ، اول تو کتاب ہی محفوظ نہیں اور جو کچھ موجود ہے اس کے ایک صفحے کا بھی کوئی حافظ نہیں ۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے دین اسلام ہی کو بخشا ہے ۔

ایک پادری کا شوق:

ایک پادری صاحب تھے ۔ ان کو شوق ہوا کہ میں قرآن مجید کا حافظ دیکھوں ۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اس عاجز کا بیٹا حبیب اللہ بھی وہاں پہنچا ہوا تھا ۔ عاجز نے اسے بتایا کہ یہ بچہ اس وقت تک آدھے قرآن مجید کو حفظ کر چکا ہے اور بقیہ آدھا قرآن بھی حفظ کر لے گا ۔ وہ بڑا حیران ہو کر دیکھنے لگا ۔ بالآخر اس نے کہا کہ میں سننا چاہتا ہوں کہ یہ کیسے پڑھتا ہے ۔ عاجز نے حبیب اللہ سے کہا کہ تم دو رکعت میں ایک پارہ پڑھ کر سناؤ ۔ چنانچہ بچے نے دو رکعت کی نیت

باندھی اور اس نے ایک پارہ دو رکعت کے اندر پڑھا۔

اس پادری کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی حیران ہو کر دیکھتے رہے کہ یہ تو کتاب کو بالکل ہی نہیں دیکھ رہا، اس کے تو ہاتھ میں بھی کچھ نہیں ہے،اس کے باوجود بڑی روانی سے پڑھ رہا ہے۔ ان کو سمجھ ہی نہ آئے کہ کس طرح ایک بچہ بن دیکھے پورے کے پورے ایک پارے کی نماز کے اندر تلاوت کر رہا ہے۔ اس وقت احساس ہوا کہ واقعی دین اسلام کی کیسی برکت ہے کہ اگرچہ وہ لوگ اپنے مذہب کے پادری تھے مگر اس کے باوجود گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

پانچ سالہ حافظ قرآن:

ہارون الرشید کے زمانے میں ایک پانچ سالہ بچے کو پیش کیا گیا۔ اس کے باپ نے بتایا کہ یہ بچہ قرآن مجید کا حافظ ہے۔ ہارون الرشید خود بھی قرآن مجید کا حافظ تھا۔ اس نے کہا کہ میں بچے سے قرآن مجید سنوں گا۔ چنانچہ باپ نے بیٹے سے کہا، بیٹا! قرآن سناؤ۔ وہ بچہ اتنا چھوٹا تھا کہ ضد کرنے لگا کہ ابو! پہلے میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ مجھے گڑ لے کر دیں گے۔ اس زمانے میں گڑ ہی چیونگم ہوتا تھا۔ بیٹے کے اصرار پر باپ نے وعدہ کیا کہ ہاں میں تمہیں گڑ کی ڈلی لے کر دوں گا۔ اس نے کہا، اچھا سناتا ہوں۔ ہارون الرشید نے پانچ جگہوں سے اس سے قرآن پاک سنا اور اس نے پانچوں جگہوں سے قرآن پاک صحیح صحیح سنا دیا۔ سبحان اللہ

نو سال کی عمر میں حفظ قرآن:

ایک صاحب کا اس عاجز کے ساتھ تعلق ہے۔ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا۔ وہ اس عاجز کو فرمانے لگے کہ دستار بندی آپ نے کروانی ہے۔ یہ عاجز ان کے حکم پر وہاں پہنچ گیا۔ جب ان کی دستار بندی

کروائی تو عاجز نے ان کے سر کے بال، ان کی داڑھی کے بال، ان کی بھوؤں، پلکوں، مونچھوں، بازوؤں اور ہاتھوں کے بالوں کو دیکھا، عاجز کو ان کے پورے جسم پر کہیں کوئی کالا بال نظر نہیں آ رہا تھا۔ نوے سال کی عمر میں تو بندہ دنیا کی کئی باتیں بھول جاتا ہے مگر اس عمر میں بھی وہ بوڑھا قرآن مجید کا حافظ بن گیا۔

فوری بدلہ:

جو بندہ قرآن مجید حفظ کر لے اسے فخر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو عجب بہت ناپسند ہے۔ کسی اور گناہ کا فوری بدلہ ملے نہ ملے، قرآن مجید کا حافظ اگر عجب کرے گا یعنی ''میں'' دکھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو تو فوراً ہی بدلہ دے دیں گے۔

ایک عجیب واقعہ:

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''تراشے'' میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک عالم فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے دو کام ایسے ہوئے کہ کوئی بھی نہیں کر سکتا، ایک اچھا اور ایک برا۔ اچھا کام ایسا ہوا کہ کوئی کر نہیں سکتا اور برا کام بھی ایسا ہوا کہ کوئی کر نہیں سکتا۔ لوگوں نے پوچھا، کونسے کام؟ وہ کہنے لگے کہ ایک دفعہ علما کی محفل میں تذکرہ ہوا کہ فلاں حافظ، فلاں حافظ، فلاں حافظ اور میرے بارے میں کہا کہ یہ عالم تو بڑا بھاری ہے مگر حافظ نہیں ہے۔ میں نے یہ سنا تو مجھے خیال آیا کہ میں آج سے ہی حفظ شروع کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت میں نے قرآن پاک کے پاروں کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ الحمد للہ، میں نے تین دن کے اندر قرآن پاک کا حفظ مکمل کر لیا۔

یہ خیر کا کام ایسا ہوا کہ کوئی ایسا کر نہیں سکتا اور ایک برا کام بھی مجھ سے ہوا۔ وہ یہ کہ ایک دن ہم محفل میں بیٹھے تھے۔ بیٹھے بیٹھے میرے بارے میں بات چل پڑی

کہ یہ بڑے عقلمند ہیں اور چند خوبیوں کا ذکر ہوا۔ یہ سن کر میرے اندر بھی خود پسندی آ گئی کہ ہاں واقعی میرے جیسا تو کوئی عقلمند ہے ہی نہیں۔ میرے اندر جو خود پسندی اور عجب کی تھوڑی سی کیفیت آئی اس کا نتیجہ مجھے یہ ملا کہ جمعہ کا دن تھا، میں جمعہ کی تیاری کرنے کے لئے گھر گیا۔ تیاری کے دوران خیال آیا کہ میں اپنے بال اور ناخن کاٹوں۔ جب میں نے ناخن کاٹ لئے تو میں نے سوچا کہ میری داڑھی کے بال کافی بڑھ گئے ہیں میں ان کو سنت کے مطابق نیچے سے برابر کر دوں۔ چونکہ ایک مٹھی کے برابر بال رکھنا سنت ہے۔ اس سے بڑے بال ہو جائیں تو کاٹے جا سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں ایک مٹھی بھر اپنے بال پکڑ کر کاٹنے لگا تو بے دھیانی میں نیچے سے کاٹنے کی بجائے اوپر سے کاٹ بیٹھا۔ جب میں مسجد میں آیا تو مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔ ہر بندہ پوچھ رہا تھا اور میں بتا رہا تھا کہ میں بھول گیا ہوں۔ جس بندے کے تین دن میں قرآن مجید حفظ کرنے کے چرچے دنیا میں تھے اس کی بیوقوفی کی یہ بات اس قدر مشہور ہوئی کہ ہر جگہ اس کی بدنامی ہوئی۔

خود پسندی کی سزا:

اس عاجز کی اپنی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ ہمارے محلہ کی مسجد میں ایک حکیم صاحب تھے۔ کونے پر ان کی دکان تھی۔ ان کا نام احمد بخش تھا۔ وہ قرآن پاک کے بڑے اچھے حافظ تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ ہم اس وقت چھوٹے چھوٹے تھے۔ رمضان المبارک کا دن تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ آج ستائیس کی رات ہوگی، اگر آج رات پورا قرآن سنا دیں تو بڑا مزہ آئے گا۔ ان کا حفظ بھی بڑا پکا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ اچھا میں آؤں گا۔ مسجد کوثر میں انہوں نے سنانا تھا۔

اس وقت عاجز کی عمر 9 سال کے قریب تھی۔ عاجز بھی وہاں پہنچ گیا۔ حافظ صاحب نے دو رکعت کی نیت باندھ لی۔ انہوں نے ایک رکعت میں 29 پارے پڑھے۔ ان 29 پاروں میں ان کی کوئی غلطی بھی نہ آئی۔ پیچھے آٹھ دس حافظ کھڑے تھے وہ سب چپ رہے۔ کہیں کوئی اٹکن بھی پیش نہ آئی کہ پیچھے سے کوئی لقمہ مل جاتا۔ پڑھتے چلے گئے۔ 29 پاروں کے بعد انہوں نے رکوع کیا۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ انہوں نے آخری پارہ بھی کافی پڑھ لیا۔ جب سورۃ اخلاص یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنے لگے تو بھول گئے، کوئی متشابہ لگ گیا۔ اب وہ اس سورۃ سے نکلنا چاہتے ہیں مگر نکل نہیں پاتے۔ جب دو تین دفعہ اس کو لوٹایا اور آگے نہ نکل سکے تو اس وقت ایک غیر حافظ بندے نے ان کو لقمہ دیا اور حافظ نے غیر حافظ سے لقمہ لے کر سورۃ اخلاص مکمل کی۔

نماز کے بعد لوگ بڑے خوش تھے مگر قاری صاحب کو پسینہ آیا ہوا تھا۔ جب اٹھ کر جانے لگے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! کیا بنا؟ کہنے لگے، نہ پوچھو، 29 پارے پڑھ لئے تو بڑی خوشی ہوئی۔ جب سورۃ اللّٰهَبِ پڑھ رہا تھا تو اس وقت دل میں خود پسندی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اس وقت میرے جیسا بندہ پورے شہر میں کوئی نہیں ہوگا جو دو رکعت میں قرآن سنا سکے۔ میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۃ اخلاص میں متشابہ لگوا دیا۔ یہ بتا دیا کہ یہ تیرا کمال نہیں یہ تو میرا کمال ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا کمال ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندے کے لئے قرآن پاک کا یاد کرنا آسان فرما دیتا ہے اس لئے حفاظ کو اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا چاہئے۔

ایک مثالی مدرسہ کا ہونہار طالبعلم:

پاکستان کے ایک تحفیظ القرآن کے مدرسے کے اساتذہ، ناظم اور مہتمم کا اس عاجز سے تعلق ہے۔ انہوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ ان کے مدرسے کے بارے میں مشہور ہے کہ جو بچہ وہاں گردان کر لیتا ہے وہ ساری زندگی قرآن پاک نہیں بھولتا۔ ان کی اپنی ایک ترتیب ہے جس سے وہ یاد کرواتے ہیں۔ خیر جب وہاں گئے تو دیکھا کہ وہاں کے بچوں کے چہروں پر واقعی قرآن کا نور تھا۔

عاجز نے ان سے پوچھا کہ آپ بچوں کا امتحان کیسے لیتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے ہاں تو سادہ سا دستور ہے۔ ہم بچوں کا امتحان لینے کے لئے پانچ استاد بٹھا دیتے ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنا رجسٹر ہوتا ہے۔ بچے کو سامنے بٹھا کر کہتے ہیں کہ بچہ! ہمیں پورا قرآن سناؤ۔ چھوٹا سا سوال پوچھتے ہیں۔ بچہ جب سنانا شروع کرتا ہے تو بھی ٹائم نوٹ کیا جاتا ہے اور جب ختم کرتا ہے تب بھی ٹائم نوٹ کیا جاتا ہے۔ جہاں اٹکتا ہے وہ بھی لکھتے ہیں اور جہاں متشابہ لگتا ہے وہ بھی لکھتے ہیں۔ وہ ہر ہر چیز لکھ رہے ہوتے ہیں۔ پورے قرآن پاک کا ریکارڈ بن رہا ہوتا ہے۔ عاجز نے کہا، اچھا کوئی ریکارڈ دکھائیں۔ انہوں نے ریکارڈ دکھایا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بچہ دکھایا جس کی عمر آٹھ نو سال ہوگی۔ وہ کہنے لگے کہ اس بچے نے ابھی چند دن پہلے قرآن مجید سنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اس بچے نے الحمد سے پڑھنا شروع کیا اور ایک محفل کے اندر پڑھتے پڑھتے 4 گھنٹے اور 35 منٹ میں اس نے پورا قرآن مجید پڑھ دیا اور پورے قرآن مجید میں اس کی ایک غلطی بھی نہیں آئی۔ پانچ استاد مل کر بیٹھے اور

ان میں سے کوئی استاد بھی اس کی ایک غلطی بھی نہ نکال سکا۔ سبحان اللہ۔

عالمی ریکارڈ میں اندراج:

Genns book of record میں ایک بچے کا ریکارڈ درج ہے کہ اس نے 6 گھنٹے اور کچھ منٹوں میں قرآن مجید پڑھا تھا۔ اس کتاب میں اگر اس بچے کا نام آ سکتا ہے تو 4 گھنٹے اور 35 منٹ میں پڑھنے والے بچے کا نام کیوں نہیں آ سکتا۔ عالمی ریکارڈ میں اس کا اندراج بھی ہونا چاہیے۔

خدائی فوج:

یہ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس امت میں اس نے اس طرح کے بچے پیدا کر دیئے۔ یہ خدائی فوج ہے، یہ حزب الرحمٰن ہے۔ اسی لئے فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنا دیا جو ہمارے چنے ہوئے بندے تھے)۔ جو ہمارے پیارے تھے، جو بڑے لاڈلے تھے۔ یہ قرآن پاک کے حافظ بچے اللہ تعالیٰ کے فوجی ہیں جنہوں نے قرآن پاک کو اپنے سینوں کے اندر محفوظ کیا۔

حافظ قرآن کی شفاعت:

حافظ قرآن کو روز محشر دس ایسے آدمیوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جانے کے قابل ہوں گے۔ اس کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے نکال کر جنت عطا فرما دیں گے۔

ایک مثال سے وضاحت:

اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ آپ نے حج پہ جانے کے ۔ لیے اپنی بکنگ

کروالی ہولیکن آپ کو جہاز کی سیٹ نہ مل رہی ہو اور ایک دن باقی رہ جائے اور پتہ چلے کہ کل آخری جہاز جائے گا۔ آپ بھاگ دوڑ کرتے ہیں کہ بھئی کہیں سے مجھے بھی جہاز کی سیٹ مل جائے۔ آپ منیجر کے پاس پہنچیں مگر وہ کہے کہ سیٹ تو کوئی بھی خالی نہیں۔ آپ کا کتنا دل کرے گا کہ میں کسی طرح پہنچ جاؤں۔ کیونکہ پیسے بھی دے دیئے ہیں، ٹکٹ بھی بنوائی ہوئی ہے۔ جہاز میں سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے میں تو حج سے محروم ہو جاؤں گا۔ اب ایسے میں اگر وہ منیجر کہہ دے کہ وہ جو فلاں بڑا افسر بیٹھا ہے اس کے اختیار میں دس سیٹیں ہیں وہ اپنی مرضی سے دس بندوں کو بھیج سکتا ہے، تم اس کی منت کرلو، وہ تمہیں بھیج سکتا ہے۔ اب یہ بندہ جب اس کے پاس جائے گا تو کتنی منت سماجت کرے گا، وہ اس کے پاؤں پکڑنے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔ اس کو اگر بتا دیا جائے کہ جناب! وہ آپ کا بیٹا ہے تو اس کے دل میں کتنی خوشی ہوگی کہ اچھا میرے بیٹے کے پاس دس سیٹیں ہیں، پھر تو مجھے آسانی سے سیٹ مل جائے گی۔

اب قیامت کے دن کا تصور کیجئے کہ جب آدمی کو آنکھوں سے نظر آ رہا ہوگا کہ ابھی مجھے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے سامنے اعمال کھلے ہوئے ہوں گے، بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہوگی اور وہ جہنمیوں کا عبرتناک انجام دیکھ رہا ہوگا، ایسے وقت میں جب اس سے کہا جائے گا کہ تیرے بیٹے کے پاس دس بندوں کو بخشوانے کی گنجائش موجود ہے تو اس وقت اس کے دل میں بیٹے کی کیا قدر آئے گی۔ تب اسے احساس ہوگا کیونکہ چیز کی اس وقت قدر آتی ہے جب اس کی ضرورت پڑتی ہے، جب ضرورت نہیں ہوتی تو اس کی قدر بھی نہیں آتی۔ جب آگ سامنے دیکھے گا، جہنمیوں کو جلتا دیکھے گا اور فرشتوں کو دیکھے گا اور کہے گا

کہ ہاں وہ مجھے جہنم میں ڈالنے کے لئے پکڑ کر لے جارہے ہیں اور ایسے وقت میں اسے وہ بیٹا نظر آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے دس بندوں کی شفاعت کی اجازت دی ہوگی اور وہ شفاعت کرے گا کہ یہ میرے ابو ہیں، ان کو جنت میں جانے کی اجازت دی جائے۔ اس وقت کتنا بڑا غم ہٹ جائے گا اور کتنی بڑی مصیبت کٹ جائے گی۔ اس وقت بندہ احساس کرے گا کہ کاش! میرے سارے بچے حافظ ہوتے۔

اولاد کے لئے تدریسی لائحہ عمل:

جن لوگوں نے اپنے بچوں کو دنیا کا علم تو پڑھایا لیکن دین سے بے بہرہ رکھا وہ حسرت اور افسوس کے ساتھ ہاتھ ملیں گے کہ کاش! ہم نے بھی کسی بیٹے یا بیٹی کو حافظ بنایا ہوتا، ہم نے بھی آگے کا کوئی انتظام کیا ہوتا۔ لہٰذا آج وقت ہے اپنے بچے کو حافظ یا بچی کو حافظہ بنائیں۔ ہم کب کہتے ہیں کہ ان کو انگریزی سکولوں میں نہ بھیجو، یا کالجوں میں نہ پڑھاؤ۔ اتنا کہتے ہیں کہ ان کو پہلے مسلمان بناؤ، پھر بے شک جس کام پر مرضی لگاؤ۔ یہ تو کوئی دستور نہیں ہے کہ بچے کو اسلام اور دین سکھانے کی بجائے ہم شروع سے ہی ٹٹ مٹ سکھانی شروع کر دیں، یہ تو ناانصافی کی بات ہے۔

آپ اپنے بچوں کو پانچ جماعتیں پڑھایئے اور اس کے بعد ہمارے مدارس میں بھیجئے۔ ہمارے پاس وہ بچے دو سال یا کم و بیش عرصہ میں قرآن پاک کے حافظ بن جاتے ہیں۔ ذہین بچے اس سے پہلے بھی بن سکتے ہیں اور کمزور ہوگا تو اس سے کچھ زیادہ وقت لے گا۔ عام طور پر بچے دو سال میں حافظ بن جاتے ہیں۔ جب پانچ جماعت پاس بچہ دو سال میں حافظ بن جائے گا تو تیسرے سال

میں اس بچے کو ساتھ ساتھ آپ ٹیوشن پڑھا دیں تو وہ اپنے سکول کے ساتھیوں کے ساتھ مڈل کا امتحان پاس کر لے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حافظے کی قوت کو بڑھا دیا ہوگا۔ پھر اس کو میٹرک کروانے کے بعد دوبارہ ہمارے مدرسے میں بھیجیں تا کہ ہم اس کو ابتدائی علوم پڑھا سکیں۔ دن میں وہ بے شک سکول جائے اور شام کو ہمارے پاس آئے۔ دو سال تک کالج میں بھی پڑھے اور مدرسے میں بھی پڑھے۔ پھر آپ اس کو چار سال کے لئے فارغ کر دیں یہ چار سال مدرسہ میں لگا کر بخاری شریف تک درس نظامی کا کورس کر سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ پاکستان کے قانون کے مطابق اگر وہ بی۔اے کی انگلش کا امتحان دے دے تو اس کا وفاق المدارس کا سرٹیفکیٹ ایم۔اے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح ایم۔اے کی تعلیم بھی مکمل ہو جائے گی اور آپ کا بیٹا عالم بھی بن جائے گا۔ آپ اس طرح اپنے بچے کو دین بھی سکھاتے رہیں۔

پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی پریشانی:

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر صاحب اپنے باپ کا جنازہ پڑھنے لگے تو وہ بہت رو رہے تھے۔ کسی نے کہا، کیوں اتنا روتے ہیں؟ کہنے لگے کہ باپ نے مجھے پی ایچ ڈی ڈاکٹر تو بنایا مگر روتا اس بات پر ہوں کہ مجھے اس کا جنازہ پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ میں اپنے سگے باپ کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھ سکا۔ اگر آپ بھی بچے کو پی ایچ ڈی کروالیں گے اور وہ آپ کا جنازہ بھی نہیں پڑھ سکے گا تو پھر کیا فائدہ ہوگا۔

دوگنا عذاب اور لعنتوں کی بارش:

وہ بچے جن کو آپ دنیا کے لئے بھیجیں گے، دین نہیں سکھائیں گے تو پھر کل قیامت کے دن وہ آپ پر مقدمہ دائر کریں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اللہ

کے حضور کھڑے ہو کر کہیں گے رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلاَ (اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے بڑوں کی پیروی کی اور انہوں نے ہمیں راستے سے گمراہ کر دیا)، انہوں نے کہا تھا انجینئر بنا، ڈاکٹر بنا، پائلٹ بنا، ہم نے بن کے دکھا دیا، ہمیں تو دین کی طرف کسی نے موڑا ہی نہیں تھا، اے اللہ! یہ ان کا قصور ہے، اگر یہ دین کی طرف موڑتے تو ہم لگ جاتے۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (اے پروردگار! ہمارے ان ماں باپ کو دگنا عذاب دیجئے)۔ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (اور ان پر بہت زیادہ لعنتوں کی بارش کر دیجئے)۔ یوں اولاد ماں باپ پر مقدمہ کرے گی کہ اے اللہ! ہمیں انہوں نے بھٹکایا تھا، ہمیں یہ سیدھے راستے پر ڈالتے تو ہم لگ جاتے، مگر انہوں نے دنیا کمانے پر لگایا اور دین سے بے بہرہ رکھا، آپ انہیں دگنا عذاب بھی دیجئے اور ان پر لعنتوں کی بارش بھی برسائیے۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے لِكُلٍّ ضِعْفٌ تم سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کے عذاب سے محفوظ فرمائے اور اپنی اولادوں کو انگریزی تہذیب کی بھٹی میں جھونکنے کی بجائے دین اسلام کی خدمت میں لگانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تائید غیبی

ہم اگر اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں گے تو رب کریم ہماری بھی مدد فرمائیں گے۔ یاد رکھئے دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتی۔ ان کفار کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ڈر تب لگتا ہے جب دل میں چور ہوتا ہے۔ .... تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ایمان والے قلت میں تھے یا کثرت میں تھے، امیر تھے یا غریب تھے، گورے تھے یا کالے تھے، پہاڑ کی چوٹیوں میں رہتے تھے یا زمین کی پستیوں میں، جس حال میں بھی تھے رب کریم نے ان کو ہمیشہ کامیاب فرمایا۔

تائیدِ غیبی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی o اَمَّابَعْدُ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامَ oوَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرْ ان تَنْصُرُوْا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ o سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ oوَ سَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ oوَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

ضدین کا مجموعہ:

اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کامل ہے، بندہ اپنی صفات میں ناقص ہے۔ انسان کو اللہ رب العزت نے ایسے اعضا سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً آنکھ دیکھ سکتی ہے یعنی بینا ہے بقیہ پورا جسم نابینا ہے، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے، کان سن سکتے ہیں بقیہ پورا جسم سن نہیں سکتا یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے، زبان بول سکتی ہے بقیہ پورا جسم بول نہیں سکتا یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے، دماغ سوچ سکتا ہے باقی جسم سوچ نہیں سکتا یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ تو یہ انسان ضدین کا مجموعہ ہے۔ گویا انسان ایسے اعضا سے مل کر بنا ہے کہ ہر ہر عضو کی اپنی انفرادیت ہے اور ان تمام کے ملنے سے انسان بنتا ہے۔

روح کی حیثیت:

اس ضدین کے مجموعے میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کو پیدا فرمایا ہے جسے روح کہتے ہیں۔ اس روح کی بدولت یہ سب ضدین ایک بن کر کام کرتی ہیں۔

یہ اعضا اپنی ذات و صفات میں ایک دوسرے کے مخالف سہی مگر روح کی موجودگی میں یہ جسمِ واحد بن کر کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر کسی انسان کو سر میں درد محسوس ہو رہا ہو تو پاؤں کبھی ڈاکٹر کے پاس چل کر جانے سے انکار نہیں کریں گے۔ آنکھ کبھی یہ نہیں کہے گی کہ میں تو سو رہی ہوں یہ میرا پرابلم نہیں یہ تو سر کا پرابلم ہے۔ زندہ انسان کے سر میں تکلیف ہوگی مگر پورا جسم بے آرام ہوگا۔ پورا جسم اس کی بے چینی کو محسوس کر رہا ہوگا۔

اگر کوئی دشمن سر پر وار کرنے کی کوشش کرے گا تو ہاتھ فوراً مدافعت کے لئے اٹھیں گے، پاؤں بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کریں گے، ہاتھ اور پاؤں کبھی سر کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے کہ یہ ہمارا پرابلم نہیں، یہ تمہارا پرابلم ہے۔ اگرچہ جسم مختلف اعضا سے مل کر بنا جو ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر روح نے سب کو متحد کر دیا ہے حتیٰ کہ اس کو جسمِ واحد کہا جاتا ہے۔

روح کی مثال:

اگر اس مثال کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اور ہم اپنے گھر کو دیکھیں تو ہمارا گھر ایسے افراد سے مل کر بنتا ہے جو اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ مثلاً گھر میں جو باپ کا مقام ہے وہ کوئی دوسرا نہیں پا سکتا، باپ اپنے بیٹے کا باپ ہے، بیٹے کا بھائی یا بیٹے کا بیٹا نہیں بن سکتا۔ بیٹا اپنے باپ کا بیٹا ہے، باپ کا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جو پوزیشن باپ کے پاس ہے وہ بیٹے کی نہیں اور جو بیٹے کے پاس ہے وہ باپ کے پاس نہیں اسی طرح جو حیثیت ماں کے پاس ہے وہ بیٹی کے پاس نہیں، اور جو بیٹی کے پاس ہے وہ ماں کے پاس نہیں، جو بھائی کے پاس ہے وہ بہن کے پاس نہیں، جو بہن کے پاس ہے وہ بھائی کے پاس نہیں۔ اپنی حیثیت کے اعتبار سے یہ سب ایک

دوسرے سے منفرد ہیں یا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر اللہ نے ان کے اندر بھی ایک ایسی روح کو اتار دیا ہے کہ اس روح کی موجودگی میں یہ سارے افراد اسی طرح ایک بن کر کام کرتے ہیں جس طرح روح کی موجودگی میں جسم کے سب اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں اور اس روح کا نام ''اسلام'' ہے۔

روح کے بغیر جسم کی حیثیت:

آپ اگر جسم سے روح کو نکال دیں تو سارے اعضا ایک دوسرے سے اجنبی بن جائیں گے۔ اب اس کے منہ سے آپ زبان کھینچ کر ٹکڑے بھی کر دیجئے مگر آنکھوں سے ایک آنسو نہیں آئے گا۔ اس کے سر پر چوٹ رسید کیجئے پاؤں کبھی حرکت نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ جس روح کے دم قدم سے ان میں جان تھی اور یہ ایک تھے وہ روح نکل چکی ہے۔ اب یہ بے جان جسم ہے۔ اسی طرح جس گھر کے اندر اسلام زندہ ہوگا اس گھر کے تمام افراد زندہ جسم کی مانند ہوں گے۔ دلوں میں محبتیں ہوں گی اور اگر گھر کا ایک فرد بیمار ہوگا تو دوسرے راتوں کو جاگ کر تیمارداری کر رہے ہوں گے۔ ایک آدمی کا غم سب کا غم بنے گا۔ ایک کی خوشی سب کی خوشی بنے گی۔ آپس میں محبتیں ہوں گی اور دل ایک دوسرے سے پیوستہ ہوں گے۔ یہ جسمِ واحد کی مثال ہیں اور جب دین اس گھر سے نکال دیا جائے گا تو افراد خانہ اس طرح ایک دوسرے سے بے تعلق ہو جائیں گے جس طرح جسم کے اعضا بے جان ہو کر ایک دوسرے سے اجنبی بن جاتے ہیں۔

اسلام کے بغیر گھر کی حیثیت:

ایک آدمی کے جسم سے روح نکال لی جائے اور اس کے ناک کو بند کر کے اس کے منہ کے ذریعے ہوا پمپ کر دی جائے تو کیا اس ہوا کے بھر جانے سے وہ جسم زندہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ لاش جلدی گل سڑ تو سکتی ہے مگر زندہ نہیں ہو

سکتی ۔اسی طرح اگر کسی گھر سے اسلام کو نکال لیا جائے اور کسی ازم کو یا انسان کے بنے ہوئے کسی طریقہ حیات کو گھر میں داخل کرلیا جائے تو کیا اس گھر کے اندر وہ محبتیں اور الفتیں زندہ ہو سکتی ہیں ؟ کبھی نہیں ہو سکتیں ۔ممکن ہی نہیں کہ انسان کا بنا ہوا کوئی بھی ازم گھر کے افراد کے اندر وہ محبتیں پیدا کر دے جو اللہ رب العزت کا دین پیدا کر دیتا ہے ۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' یہ جو صحابہ کے دلوں کے اندر محبتیں پیدا کر دیں یہ اللہ رب العزت کا کرم اور احسان ہے ۔اے محبوب ﷺ ! آپ ساری دنیا کے مال و دولت کو خرچ کر دیتے تو بھی دلوں میں محبتیں پیدا نہیں کر سکتے تھے ۔ یہ محبتیں تو فقط اللہ نے پیدا فرمادی ہیں''

قرآن پاک کا اعجاز:

دین ہمارے معاشرے کے ہر گھر کے لئے روح کی مانند ہے ۔جس گھر سے دین کے احکام نکل گئے یوں سمجھئے کہ اس گھر سے انسانیت کی روح نکل گئی ۔اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو بھیجا اور وہ کتاب ہدایت لے کر آئے ۔وہ نسخہ شفا لے کر آئے ،ایسی کتاب جو صداقتوں کا مجموعہ ،حقیقتوں کا خزانہ اور سچائیوں سے بھری ہوئی ہے ۔Ultimate realities of the Universe اس کتاب کے اندر پروردگار نے سچائیاں بھر دیں ۔اس کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے ۔ یہ حقائق سے بھری ہوئی کتاب ہے جو انسانوں کو راستہ دکھانے کے لئے آئی ہے ۔فرمایا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کیا کہ آپ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں)

یہ اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی کتاب ، یہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ، یہ قعرِ مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور یہ رب کریم سے بچھڑے ہوؤں کو اپنے پروردگار سے

ملانے والی کتاب ہے، سبحان اللہ۔

میرے شیخ فرمایا کرتے تھے ’’یہ انسانیت کے لئے دستور حیات ہے، انسانیت کے لئے ضابطہ حیات ہے، انسانیت کے لئے منشور حیات ہے، بلکہ پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے‘‘۔

اس کتاب کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اسے چھونا بھی عبادت ہے، اسے پڑھنا بھی عبادت ہے، اسے سننا بھی عبادت ہے، اسے سمجھنا بھی عبادت ہے اور اس کتاب پر عمل کرنا بھی عبادت ہے۔ یہ عجیب کتاب ہے۔ جیسے دنیا میں لوہے کو کھینچنے کا مقناطیس ہوتا ہے کہ وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی طرح یہ قرآن پاک درحقیقت اللہ رب العزت کی رحمتوں کو کھینچنے کا مقناطیس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنوا سے اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمتیں برسائی جائیں)

معلوم ہوا کہ جس جگہ پر قرآن پڑھا جاتا ہے وہاں پر رحمتیں برستی ہیں۔ اس کو اللہ رب العزت نے بھیجا اور مقصد خود بتلا دیا۔ فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (وہ ذات جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت دے کر اور سچا دین دے کر تا کہ اس کو تمام ادیان کے اوپر غالب کر دے)۔ تو دین اسلام دنیا میں بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس نے غالب آ کر رہنا ہے۔

دین اسلام کا غلبہ:

ابتدا میں کفار یوں سمجھتے تھے کہ یہ چند مسلمان کونپل کی مانند ہیں ہم جب چاہیں گے اکھاڑ پھینکیں گے۔ یہ شمع سی جل اٹھی ہے جب چاہیں گے پھونک مار کے بجھا دیں گے۔ بڑے مان تھے ان کے دلوں میں اپنی طاقت، دانائی اور تدبیروں کا بڑا مان تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ ہم ان کے ساتھ نرمی کر رہے ہیں، نہیں

تو جب چاہیں گے ہم ان کی گدی دبا دیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ (یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلائے ہوئے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں گے ور اللہ نے اس نور کو مکمل اور کامل کرنا ہے اگرچہ کافروں کو یہ بات اچھی نہ لگے)۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

چنانچہ رب کریم صحابہ کرامؓ پر احسان جتلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ . تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَ أَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَ رَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔ (تم یاد کرو اس وقت کو جب تم تھوڑے تھے زمین میں، کمزور تھے، تم ڈرتے تھے، کہ انسان کہیں تم کو اچک نہ لیں ۔ اس نے تمہیں ٹھکانہ دیا، اپنی مدد سے تمہیں مضبوط کیا، کھانے کو پاکیزہ رزق دیا تاکہ تم اس کا شکر ادا کرتے رہو)۔

صحابہ کرامؓ پر بھی ایسا وقت آیا کہ ابتدا میں کمزوری تھی ۔ رب کریم نے ان کی کمزوریوں کو ان کی قوتوں سے بدل کے رکھ دیا۔ کافروں نے بڑی تدبیریں کیں، روپ بدل بدل کے آئے، رنگ بدل بدل کے آئے، لنگوٹ باندھ باندھ کے بار بار میدان میں اترے، چاہتے تھے کہ ایمان والوں کو ختم کر کے رکھ دیں ۔ مگر پروردگار عالم کی مدد ایسی تھی کہ ہر جگہ مدد فرمائی۔ آیئے ذرا جائزہ لیں کہ کفار کیسی تدبیریں کرتے تھے ۔ اسلام کے خلاف کیسی سازشیں کرتے تھے، خود قرآن پاک میں گواہی ہے اس بارے میں ۔ فرمایا وَ إِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ (ایسی تدبیریں کرتے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے)۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت:

خود نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بھی کفار نے تدبیر کی۔ کہنے لگے کہ سارے قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی کو چن لو، صبح کے وقت گھر کے گرد گھیرا کر کے کھڑے ہو جائیں گے۔ جب یہ باہر آئیں تو سب مل کر ان کو شہید کر دیں گے، نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بنسری۔ پھر یہ کس کس سے بدلہ لیں گے اور آپس میں سوچنے لگے کہ کیسی زبردست پلاننگ کی۔ بہت خوش ہو رہے تھے۔ کہنے لگے اچھا اب اس پلان پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ رات کو گھر کے گرد گھیرا کر کے کھڑے ہیں۔ رب کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو ان کے درمیان میں سے نکال دیا۔ ایسی مت ماردی کہ ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ فرمایا وَ اِذْ یَمْکُرُبِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہ . وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (میرے محبوب ﷺ! یاد کرو اس وقت کو جب آپ کے ساتھ تدبیر کی تھی ان کافروں نے کہ آپ کو حبس بیجا میں رکھیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو دیس نکالا دے دیا جائے۔ انہوں نے بھی تدبیر کی اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر ہے سب تدبیر کرنے والوں سے)۔

دیکھا یوں اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتے ہیں۔ دنیا والوں کی تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ رب کریم تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں قَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ (میرے محبوب ﷺ! ان سے پہلے والوں نے بھی تدبیر کی پھر اللہ نے ان کی تدبیروں کی دیوار کو جڑ سے اکھاڑ دیا ان کی چھتیں ان پر آ گریں۔ ان پر ایسا عذاب آیا جس کا شعور ہی نہیں رکھتے تھے)۔

ان کفار کی تدبیریں سب دھری کی دھری رہ جائیں گی جب ہمارے پلڑے

میں اللہ رب العزت کی مدد کا وزن آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام تدبیروں کو Null and void (صفر کے برابر) کر دیں گے۔

جنگ احزاب کا واقعہ:

ایک ایسا وقت آیا کہ جب مکہ سے لے کر مدینہ تک کے تیس ہزار کفار نے مل کر چڑھائی کی۔ اسے جنگ احزاب کہتے ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ اب تو بس مسلمان چند دن کے مہمان ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ کفار نے ایک مہینہ تک محاصرہ کئے رکھا۔ انجام کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا (اور اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا ان کافروں کو ان کے غیظ و غضب کے ساتھ۔ ان کے پلے کچھ نہیں آیا)

دل میں بڑے ارادے لے کر آئے تھے مگر کچھ ان کے ہاتھ نہیں آیا اور پھر مومنوں کو تسلی دے دی۔ فرمایا وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو) اسے پتہ ہے کہ تمہارے دشمن کون ہیں۔ اور فرمایا وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا (اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز کافروں کو مسلمانوں تک پہنچنے کا راستہ نہیں عطا کرے گا)

اب بتایئے جب رب کریم اتنی تسلیاں دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہرگز ہرگز مسلمانوں تک آنے کا راستہ نہیں دے گا۔ اگر ہم اس کا اپنی زبان میں مفہوم ادا کریں تو جیسے کہتے ہیں نا ”میلا! تم تک کوئی آئے گا تو میری لاش سے گزر کر آئے گا“ بالکل یہی مفہوم اس آیت کا بن رہا ہے۔

”ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں تک آنے کا راستہ نہیں دے گا“

کیا مقصد؟ کہ پہلے جو مجھ سے نبٹے گا تو اے ایمان والو! پھر وہ تم تک آئے گا تو رب کریم کتنی مدد کے وعدے فرماتے ہیں۔ فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ

آمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ (ہمارے ذمہ ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی اس دنیا کی زندگی میں اور جس دن کہ گواہیاں دی جائیں گی)۔ اللہ رب العزت اپنے اوپر ذمہ لے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ پر تو کچھ ذمہ نہیں ہے کچھ فرض نہیں ہے مگر اس آیت کا مفہوم یوں بن رہا ہے جیسے یوں کہنا چاہتے ہیں

''ہمارے اوپر فرض ہے مدد اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی''

اب بتایئے جب رب کریم مدد کے ایسے وعدے فرما رہے ہوں تو پھر ایمان والوں کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے فرمایا وَلَا تَھِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (تم سست نہ ہو اور تم گھبراؤ بھی نہیں تم ہی اعلیٰ اور بالا ہو گے اگر تم ایمان والے ہو گے)

؎ مومن کے ساتھ غلبے کا وعدہ ہے قرآن میں
تو مومن ہے اور غالب نہیں تو نقص ہے تیرے ایمان میں

تو دیکھا! اللہ رب العزت یوں مدد کے وعدے فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت ایمان والوں کو غلبے کے وعدہ فرما رہے ہیں۔ کافروں کی کثرت کو نہ دیکھنا، ان کی طاقت کو نہ دیکھنا، فرمایا تمہاری نگاہیں پروردگار کی ذات پر رہیں گی اور اس کے ساتھ تمہارا ایمان ویقینِ کامل ہوگا تو رب کریم ہر میدان میں تمہیں کامیاب فرما دے گا۔

قرآن پاک سے گواہی:

قرآن مجید کی آیت ہے، سنیے اور ذرا دل کے کانوں سے سنئے فرمایا۔

کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

(کتنی بار ایسا ہوا ایک چھوٹی جماعت ایک بڑی جماعت کے اوپر غالب آ گئی۔ اللہ تو صبر وضبط والوں کے ساتھ ہے)

اگر سمجھنے کی خاطر اس آیت کا مفہوم اپنی زبان میں ادا کرنا چاہیں تو یہ بنے گا

''کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ نے چڑیوں سے باز مروا دیئے، اللہ صبر ضبط والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ چڑیوں سے باز مروا دیتا ہے اس لئے مومنو! کیا ضرورت ہے گھبرانے کی جب اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ، اسی لئے جس دن قرآن مجید کی آخری آیات اتر رہی تھیں فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی) اسی دن یہ آیتیں بھی اتریں۔ فرمایا اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (آج کے دن یہ کافر تمہارے دین سے ناامید ہو چکے)

پہلے ان کے دلوں میں بڑا جوش تھا کہ ہم غالب آ کے رہیں گے اور ان کے نام و نشان کو مٹا کے رکھ دیں گے، تذکروں میں ان کا تذکرہ باقی نہیں رہے گا، لیکن آج یہ حالت ہو چکی ہے کہ ان کافروں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ ان تو لوہے کے چنے ہیں انہیں چبانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ فرمایا فَلاَ تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِیْ (تم نے ان سے نہیں ڈرنا، ایک میری ذات سے تم نے ڈرنا ہے)

تو جس کے دل میں اللہ رب العزت کا ڈر ہو اور پھر ہدایت کے رستے پر اس کا قدم ہو اس کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت مدد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے وعدہ فرما رہے تھے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (بے شک وہ ذات جس نے قرآن کو فرض کیا وہ تمہیں لوٹائے گا تمہاری اصل جگہ کی طرف)۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو وہاں لوٹا کے دکھا دیا۔ اور جب لوٹے تو نبی علیہ السلام کس شان میں تھے، سواری پہ سوار ہیں، عجز کی وجہ سے

گردن اتنی جھکی ہوئی ہے کہ سواری کے گردن کے بالوں سے پیشانی لگی جا رہی ہے اور زبان پہ ایک عجیب ترانہ ہے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ (سب تعریف اس ایک اللہ کے لئے جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے ساری کی ساری دشمنوں کی جماعت کو شکست عطا کر دی)۔

اللہ کی مدد کا وعدہ:

ہمارے لئے بھی وہی پیغام ہے۔ ہم اگر اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں گے تو رب کریم ہماری بھی مدد فرمائیں گے۔ یاد رکھئے، دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھ سکتی، ان کفار کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، ڈر تب لگتا ہے جب اپنے اندر چور ہوتا ہے، جب خود عمل نہیں ہوتا، جب نام کے مسلمان ہوتے ہیں، نکھٹو، نالائق اور اسلام کے دعوے بڑے بڑے۔ اس وقت پھر کافروں کو جراَت ہو جاتی ہے۔ جب دلوں میں ایمان و یقین ہو اور پروردگار کی مدد کے وعدے ہوں تو پھر یہ تھوڑے بھی ہوں گے تو جدھر بھی قدم اٹھائیں گے کامیابی ان کے قدم چومے گی، تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ایمان والے قلت میں تھے یا کثرت میں تھے، امیر تھے یا غریب تھے، گورے تھے یا کالے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہتے تھے یا زمین کی پستیوں میں رہتے تھے جس حال میں بھی تھے رب کریم نے ایمان والوں کو ہمیشہ کامیاب فرمایا۔

اللہ رب العزت کے وعدے ایمان والوں کے ساتھ ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اپنے دل کے اس نور کو اپنے نیک اعمال کے ساتھ اللہ کی یاد کے ساتھ زیادہ بڑھانے کی کوشش کریں، اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی پیاری سنتوں سے مزین کریں، دل میں نور بھرتا چلا جائے گا اور پھر پروردگار عالم اپنی حفاظت عطا فرما دیں گے اور جب رب کریم کی مدد آتی ہے تو اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ کشتی ہمیشہ کنارے لگ جایا کرتی ہے

جب اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ کشتی بیچ دریا کے ہچکولے نہیں کھاتی پھرتی بلکہ کشتی ہمیشہ کنارے لگ جایا کرتی ہے۔ رب کریم کی مدد ہمیشہ ایسی ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی مدد:

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جب بھی مدد کے وعدے کئے سبحان اللہ عجیب انداز سے پورے کر دکھائے۔ایک مثال پیش خدمت ہے۔ایک ایسا بھی وقت تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سامنے کفر کی بڑی قوت ہے۔ طاقت ہے اللہ رب العزت ان دونوں حضرات کو فرعون کی طرف بھیج رہے ہیں۔فرمایا اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (جایئے فرعون کے پاس وہ باغی طاغی بنا ہوا ہے)

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ بات آئی کہ ہم دو اتنے بڑے نظام سے ٹکرانے جا رہے ہیں تو رب کریم نے فرمایا فَاذْهَبَا لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَا (تم دونوں جاؤ، تم دونوں مت ڈرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں) اَسْمَعُ وَ اَرٰى (دیکھنے سننے والا) فرعون جو کہے گا میں سنوں گا، جو عمل کرے گا، جو حرکت کرے، اسے میں دیکھوں گا بھی سہی اور جب میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ جایئے کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ پھر کیا ہوا؟ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر ایک جگہ کھڑے ہیں، آگے پانی کا دریا اور پیچھے فرعون کی فوج کا دریا، دو دریاؤں کے درمیان ایسے وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی گھبرا گئے۔کہا قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ نے کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے) جب انہوں نے یہ بات کہی ایک یقین بھری آواز اٹھی۔حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے فرمایا كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور راستے کی راہنمائی فرمائے گا)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں سے پار کروا دیا جب کہ فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں غرق کر دیا گیا۔

نبی علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی مدد:

دیکھئے نبی علیہ السلام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف جا رہے ہیں۔ پورا مکہ مکرمہ آپ ﷺ کی تلاش میں چڑھ دوڑا۔ رب کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو ایک غار کے اندر پہنچا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا بنا دیا۔ اب مکڑی کا جالا کتنا کمزور ہوتا ہے یہ قرآن نے خود کہہ دیا إِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ (گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا جالا ہوتا ہے)

دیواروں میں سب سے کمزور دیوار مکڑی کا جالا ہوتی ہے۔ غار کے دروازے پر مکڑی کا جالا تان دیا گیا۔ سارا مکہ مل کر نبی علیہ السلام تک نہ پہنچ سکا۔ رب کریم نے اپنی قدرت اور اپنی طاقت کا اظہار فرما دیا کہ لوگو! اگر میں تمہارے سامنے مکڑی کے کمزور جالے کی دیوار بھی تان دوں گا ساری دنیا مل کر اس دیوار کو نہیں توڑ سکے گی۔ تو جب رب کریم اپنی مدد کے وعدے فرماتے ہوں تو پھر ایمان والوں کو گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک اللہ کا ڈر دل میں ہو چنانچہ یہی سبق ہمیں دیا گیا۔

کافر کا قبول اسلام:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ ایک کافر نے دیکھا کہ تلوار لٹک رہی ہے اور آپ ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اچھا موقع ہے، کچھ کام کر دکھاؤں۔ اس نے آگے بڑھ کر تلوار کو ہاتھ میں لے لیا۔ اسی دوران نبی علیہ السلام بیدار ہو گئے تو وہ پوچھتا ہے مَنْ

یَّمْنَعُکَ مِنِّی یَا مُحَمَّد (اے محمد! اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟)۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا، اللہ۔ مگر اس اللہ کے لفظ میں کوئی ایسی تاثیر تھی کہ اس کافر کے دل پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔ اتنا کانپا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپ ﷺ نے تلوار لے لی، فرمایا مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّی اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔

وہ کافر منتیں کرنے لگا کہ آپ تو کریم ہیں، آپ تو بڑے اچھے ہیں، فلاں ہیں اور فلاں ہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اپنی رحمت اللعالمینی کا ثبوت دیا کہ اچھا تو ایسے سخی سے معافی مانگ رہا ہے جسے رحمت اللعالمین کہا گیا۔ فرمایا، جا تجھے میں نے معاف کر دیا۔ کہنے لگا، حضور ﷺ! آپ نے تو مجھے معاف کر دیا اب ذرا کلمہ بھی پڑھا دیجئے تاکہ مجھے اللہ تعالیٰ بھی معاف فرما دیں۔ میں آج سے آپ کے غلاموں میں شامل ہوتا ہوں۔

دیکھئے یوں اللہ رب العزت مدد فرماتے ہیں، اللہ کی مدد پر بھروسہ کر کے مومن جب قدم اٹھا لیتے ہیں تو رب کریم ہمیشہ کامیاب فرماتے ہیں۔

ظاہری اسباب اکٹھا کرنے کا حکم :

ایک بات یہ ذہن میں رکھئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں حکم دیا کہ تم میرے حکموں کی پابندی کرو اور دوسرا دارالاسباب میں رہتے ہو، اس دارالاسباب میں رہتے ہوئے جتنے وسائل اکٹھے کر سکتے ہو اس میں کمی نہ کرو۔ دونوں باتوں کا حکم دیا ہے ایمان پر محنت کرو، مضبوط بناؤ اور جتنے وسائل اکٹھے کر سکتے ہو کرو۔ کیونکہ دنیا دارالاسباب ہے تم اسباب کو اکٹھا کرنے میں کمی نہ کرو۔ اس محفل کے آغاز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت قاری صاحب پڑھ رہے تھے وَ اَعِدُّوْ لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّة (جتنی تمہارے اندر استطاعت ہے تم اسی قدر اپنے اندر طاقت اور قوت کو پیدا کر لو)۔

اب کوئی حد متعین نہیں کی گئی۔فرمایا مَا اسْتَطَعْتُمْ (جتنی استطاعت ہے) گویا جتنا زور لگا سکتے ہو لگا لو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف زمین کی بات ہی نہیں خلا کے دروازے بھی کھول دیئے، بڑھتے رہیئے، بھلے تمہیں خلاؤں میں سے گزر کر کہکشاؤں تک جانا پڑے۔تمہارا قدم چاند پر پڑ سکتا ہے تو چاند پر جایئے، مریخ پر پڑ سکتا ہے تو مریخ پر جایئے، جتنی تمہارے اندر استطاعت ہے اتنا اپنے آپ کو مضبوط کر لیجئے۔ سبحان اللہ آگے مقصد بیان فرمادیا تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ (ایسی قوت ہو تمہارے پاس کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اس طاقت سے ڈرتے جائیں)۔

کفار کی کاسہ لیسی:

اے ایمان والو! تمہیں ایسی قوت حاصل کرنی چاہئے کہ جس سے کافر کانپ اٹھیں۔ اس لئے دیکھئے کہ کفر کبھی اسلام کے ہاتھ میں طاقت کو دیکھ نہیں سکتا۔ ڈرتے ہیں، منتیں کرتے ہیں کہ طاقت کہیں مسلمانوں کے پاس نہ آئے، کہتے ہیں ہم پہ بھروسہ کرلو، ہمیں خدا بنالو، ہم تمہاری حفاظت کریں گے، ہم اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیں گے، تم ہم پہ بھروسہ کرنا، ہم سے سوال کرنا، مشکل پڑے ہماری طرف رجوع کرنا، یعنی تم آج کے بعد اپنا خدا ہمیں بنا لینا، اپنا پروردگار آج کے بعد ہمیں بنالینا۔کفر پریشان ہوکر یوں کاسہ لیسی کرتا ہے۔

سپر پاور کی پوجا:

کسی دور میں پتھر کے بت ہوتے تھے آج کے دور میں بتوں کی ہیئت تبدیل ہوگئی۔آج کی یہ بڑی بڑی سپر پاور بت بن گئی ہیں۔ دنیا انہیں اس طرح پوجتی ہے جس طرح پہلے کسی وقت میں لات ومنات کو پوجا جاتا تھا۔

کافروں کو عذاب:

اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کسی کی کیا حیثیت ہے۔ وہ رب کریم جب حکم دیتا ہے تو انسان کو تگنی کا ناچ نچا دیتا ہے۔ ماضی میں بڑے بڑے فرعون گزرے۔ ان کو اپنی طاقت کا بڑا نشہ تھا بڑی قومیں گزریں کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّة (ہم سے کون ہے زیادہ طاقت میں) اور رب کریم نے ان کی وہ حالت خراب کر دی، مٹی پلید کر دی۔ فرمایا کہ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا (ہم نے ہوا کا عذاب بھیجا) ایسی ہوا کہ ایمان والوں کے لئے تو وہ بڑی مزیدار تھی لیکن کافر کے لئے اتنی سخت تھی کہ ان کو پٹخ پٹخ کے زمین پر مارتی تھی۔ اگلے دن ان کی لاشیں زمین پر ایسے پڑی تھیں کہ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَة (جیسے کھجور کے تنے زمین کے اوپر بکھرے ہوئے پڑے ہیں)

کھجور کے تنوں کی طرح زمین پر لٹا دیا اور کیسی طاقتور قوم تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا (پہاڑوں کو کھود کے گھر بناتی تھی) اور رب کریم بھی فرماتے ہیں لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ (ایسی طاقتور قوم پھر شہروں میں پیدا ہی نہیں ہوئی) ایسی طاقتور قوم جب اللہ تعالیٰ کے سامنے نافرمان بن کر کھڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نام ونشان مٹا دیا هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (ہے کسی کی آواز آتی، تمہیں کسی کا بول ہے سمجھ میں آتا، کہاں گئے وہ لوگ)

ایمان والوں کا اللہ تعالیٰ پر یقین:

اے ایمان والو! تم ان کافروں سے ڈرتے ہو، جو اندھیروں سے ڈرنے والے ہیں، ان کافروں سے ہم ڈریں۔ آج کے کافر ملک مسلمان ممالک کو ڈراتے ہیں کہ اگر شریعت نافذ کی تو ہم پابندیاں لگا دیں گے، تم بھوکے مر جاؤ

گے، ان بیچاروں کو کیا پتہ کہ ہمارا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ سبحان اللہ، اور پروردگار نے رزق پہنچانا ہے وہ ہمیں پہنچا کے رہے گا۔ اگر یہ پابندیاں لگادیں گے تو لگائیں پابندیاں۔ اچھی بات ہے کچھ ہمیں سبق مل جائے گا، ہمیں جینے کا سلیقہ آجائے گا۔ ہم تو آج تک غلطی میں رہے کہ ان کی طرف نگاہیں اٹھا کے دیکھتے رہے۔ شکر ہے آج تمہاری طرف سے نگاہیں ہٹی ہیں اور رب کی طرف دیکھا ہے۔ دعا ہے، رب کریم! مدد فرما۔ اپنے ان کمزور بندوں کو دنیا میں کامیاب و کامران فرما۔ وہ کمزوروں کا پروردگار ہے وہ اپنے بندوں کی بغیر اسباب کے مدد کرتا ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت کے وعدوں پر بھروسہ ہے۔ سبحان اللہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کرلیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ ذرا یہ واقعہ مختصر سا سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ **وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ. فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ.** {ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہ آپ اس بچے کو دودھ پلایئے اور اگر آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگ جائے (کہ فرعون کے سپاہی کہیں پکڑ کے نہ لے جائیں اور ذبح نہ کردیں) تو اس کو پھر پانی میں ڈال دینا} اور ارشاد فرمایا **فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ** (پھر اس کا وہ تابوت ساحل پر آلگے گا۔ اس کو وہ پکڑے گا جو میرا بھی دشمن ہے اس کا بھی دشمن ہے

~~اب بتایئے عقل سے پوچھیں~~ عقل چیخے گی، ~~چلائے گی، کہے گی~~ پروردگار! آپ نے حفاظت بھی کرنی ہے تو یہ بچہ ان سپاہیوں کو نظر ہی نہ آئے، وہ سپاہی ادھر آ ہی نہ سکیں، مجھے فرمادیں میں کہیں غار میں چھپا آتی ہوں، چھت پہ لٹا دیتی ہوں۔ رب کریم یہ کیا بات ہے کہ اس کو دریا میں ڈالیں۔ بچہ ہے، تابوت بنا کے ڈالنا

پڑے گا۔ تابوت میں ڈالیں تو پانی بھرنے کا اندیشہ اور اگر پانی سے بچانے کے لئے واٹر ٹائٹ بنائیں تو ہوا بھی بند ہو جائے گی، ہوا بند ہونے سے مرے گا۔ سمجھ نہیں آتی کہ کیا کریں؟ ہوا کے لئے سوراخ رکھیں تو پانی جانے کا خطرہ اور پانی سے بچانے کی کوشش کریں تو ہوا بند ہونے کا خطرہ۔ عقل کہتی ہے کہ یہ بچہ بچتا نہیں ہے۔ مگر رب کریم کیا فرماتے ہیں وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ وَ جَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (تم نے خوف بھی نہیں کھانا اور تم نے ڈرنا بھی نہیں ہے ہم اسے لوٹائیں گے تمہارے پاس اور ہم نے تو اسے رسولوں میں سے بنانا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس بات پر یقین کر لیا۔ چنانچہ بیٹے کو دریا میں ڈال دیا۔ اس کو فرعون کے کارندوں نے پکڑ لیا۔ اب جب کھول کے دیکھا تو اس میں بچہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ (ہم نے آپ پر محبت ڈال دی)۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں اتنی دلکش تھیں، جاذب نظر تھیں کہ جیسے ہی فرعون اور اس کی بیوی نے دیکھا تو وہ اپنا دل دے بیٹھے۔ فرعون کی بیوی کہنے لگی لَا تَقْتُلُوْہُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا (تم نے اسے قتل نہیں کرنا، ہم اس کو اپنا بیٹا بنائیں گے، ہمیں نفع ہوگا)

فرعون کہنے لگا، ٹھیک ہے۔ لہٰذہ شاہی فرمان جاری ہوئے کہ ہم نے اسے بیٹا بنالیا۔ فرعون کی مت ماری گئی۔ ہزاروں بچوں کو ذبح کروانے والا اب اپنا دل دے بیٹھا ہے کہتا ہے ٹھیک ہے اسے قتل نہیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ حَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (ہم نے ان پر باقی عورتوں کے دودھ کو حرام کر دیا)۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ نہیں پیتے تو فرعون خود پریشان ہوتا ہے کہ بچہ دودھ نہیں پیتا، کیا بنے گا؟ چنانچہ عورتوں کو بلوایا، جو عورت آتی ہے بچہ دودھ

نہیں پیتا۔اسی حال میں رات گزر گئی۔ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی حالت بھی عجیب تھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا (وہ تو اپنی بات کا اظہار کر ہی بیٹھتی اگر ہم نے اس کے دل پر گرہ نہ ڈال دی ہوتی) بیچاری رو بیٹھتی۔آخر ماں تھی۔رات گزر گئی سوچتی تھی کہ کیا پتہ میرا بیٹا کس حال میں ہے؟ رو رہا ہے یا خوش ہے۔جاگ رہا ہے کہ سویا ہوا ہے، کس کے ہاتھ میں ہے، کس کے ہاتھ میں نہیں۔ماں تھی۔ان خیالات نے بہت پریشان کیا ہوا تھا۔چنانچہ مضطرب ہو کر اپنی بیٹی سے کہا، جاؤ ذرا بھائی کی خبر لاؤ۔وہ بھاگی گئی، جا کر منظر دیکھتی ہے کہ بہت ساری عورتیں دودھ پلانے آ رہی ہیں مگر وہ بچہ کسی کا دودھ ہی نہیں پیتا۔وہ آگے بڑھی اور فرعون سے کہا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓی اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (میں تمہیں بتاؤں ایسے گھر والوں کے بارے میں جو اسے دودھ بھی پلائیں گے اور اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے)

مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کو بات کھٹکی۔کہنے لگا کون ہوں گے جو اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے۔وہ بھی نبی کی بہن تھی، کہنے لگی، ہم آپ کی رعایا ہیں، اگر ہم آپ کی خیر خواہی نہیں کریں تو کون کرے گا۔فرعون کہنے لگا، بات سمجھ آ گئی۔اچھا لے آؤ۔چنانچہ بہن آئی اور والدہ کو لے گئی۔انہوں نے دودھ پلایا۔جب بچے نے دودھ پی لیا تو فرعون بہت خوش ہوا، کہنے لگا، بی بی اس بچے کو اپنے گھر لے جاؤ وہاں جا کر اسے دودھ پلانا اور دودھ پلانے کی تنخواہ ہم اپنے خزانے سے بھیج دیا کریں گے۔رب کریم فرماتے ہیں۔فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم زدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے)

دیکھا، اللہ رب العزت کے وعدے کیسے سچے ہیں۔ اس لئے فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے میں) سبحان اللہ

اللہ تعالیٰ کی مدد کا عجیب وعدہ:

وہ رب کریم ایسا سچا ہے کہ بے سروسامان بندوں کی مدد کر کے ان کو کامیاب کر دیتا ہے۔ آپ دیکھئے صحابہ کرامؓ پر ایسا وقت بھی آیا کہ جب ان کے سامنے کچھ ایسے قلعے تھے کہ جن کو سمجھتے تھے کہ ہم ان کو فتح نہیں کر سکتے۔ صحابہ کرامؓ خود بھی یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کو فتح نہیں کر سکتے اور ان کافروں اور یہودیوں کا بھی یہی گمان تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کام کو بھی مسلمانوں کے لئے آسان بنا دیا۔ ذرا اس آیت کو دل کے کانوں سے سن لیجئے۔ بنو قریظہ کے یہودی قلعہ کے اندر زندگی گزار رہے تھے، بڑی اونچی اونچی دیواریں بنائی ہوئی تھیں اور دل میں ان کے یہ بات جم گئی تھی کہ مسلمان ان قلعوں کو فتح نہیں کر سکتے اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ گمان تھا کہ ان قلعوں کو فتح کرنا بڑا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ایک تدبیر کی۔ ان کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا۔ کفار آپس میں مل بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ مسلمان جہاں جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے ایسا نہ ہو کہ ہماری طرف بھی آ جائیں تو پھر کیا بنے گا؟ کہنے لگے، کہ بہتر ہے کہ ہم پہلے ہی یہاں سے کسی محفوظ جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سامان باندھا اور خود ہی اس جگہ کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں هُوَ الَّذِی (وہ ذات) هُوَ الَّذِی کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنا تعارف فرما رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّا نِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ . فَاَتٰهُمُ

اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ . یُخْرِجُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُ وْلِی الْاَبْصَار

(تمہیں گمان ہی نہیں تھا کہ تم ان کافروں کو یہاں سے نکال سکو گے اور ان کا اپنا بھی یہی گمان تھا۔ ان کے یہ قلعے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ پھر اللہ ایسی طرف سے آیا کہ جس کا ان کو گمان ہی نہیں تھا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے۔ ایمان والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی ان کے بھاگنے میں مدد کی اور آنکھوں والو! تم عبرت حاصل کرو)

میں جب چاہتا ہوں ایسے مضبوط قلعوں میں رہنے والوں کو نہتے لوگوں کے ہاتھوں سے بھگا دیا کرتا ہوں۔ تو دیکھا اللہ کے وعدے کیسے پورے ہوئے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اس راستہ پر چلیں جس راستہ پر قرآن نے ہمیں چلایا اور قرآن کیا کہتا ہے؟ ''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ''

کفار کی ناانصافی:

سپر پاورز کی ناانصافی دیکھئے کہ اگر کوئی کام کافر ملک کرتا ہے تو کہتے ہیں اچھا تو نہیں مگر اب کیا کریں کر جو لیا اور وہی کام مسلمان ملک کرتا ہے تو انصاف کے علمبردار کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ تمہارا جینا حرام کر دیں گے۔ مسلمان ملکوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ تم خود اپنا دفاع مضبوط نہ کرو۔ کہتے ہیں تم صبر کرو، تم ہمارے اوپر انحصار کرنا تا کہ ہم جب چاہیں گے تو تمہارے دو نہیں چار ٹکڑے کر دیں گے۔ جب چاہیں گے تمہیں اس وقت زمین کے ساتھ ملا دیں گے۔ کہتے ہیں بس ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ غیور قومیں ایسے نہیں کرتیں، کافروں پہ بھروسہ نہیں کرتیں، ہم بھروسہ اپنے خدا پر کریں گے۔

ایٹمی تجربہ کرنے پر اجر:

دیکھئے اللہ نے ایمان والوں کو کہا ہے کہ تم جتنی طاقت حاصل کر سکتے ہو حاصل کرو اور ایمان والوں کو چاہئے کہ آج سائنس کا دور ہے اس سائنس کے دور میں زیادہ سے زیادہ ریسرچ کریں اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

یاد رکھیئے مصلے پر بیٹھ کر نفلی تلاوتیں، نفلی عبادتیں، اور نفلی تسبیحات کرنے والے کو عبادت کا وہ اجر نہیں ملے گا جو کسی لیبارٹری کے اندر بیٹھ کر کسی سائنسدان کو ایٹمی تجربہ کرنے پر نصیب ہو جائے گا۔

اسلام کی فتح:

الحمد للہ ہمارے ملک کے سائنسدان اسلام کی شان وشوکت کا سبب بن گئے ہیں۔ سبحان اللہ، معلوم نہیں اللہ رب العزت ان کو کیا اجر عطا کرے گا۔

ہر میدان کے اندر آگے بڑھنے کی کوشش کیجئے۔ ان کافروں سے ڈرنے اور گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے حدیث پاک سے ہمیں خود معلوم ہوتا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا اور آپ ﷺ نے اس بات کو اچھا جانا کہ مومن مادی اعتبار سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس کی دلیل حدیث پاک سے ملتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں زمینی جنگیں لڑی ہیں مگر صاف فرما دیا۔ (میں جنت کی خوشخبری دیتا ہوں ان ایمان والوں کو جو سب سے پہلے بحری جہاد اسلام کے لئے کریں گے)

مطلب یہ تھا کہ میں نے تو زمینی جنگیں لڑی ہیں میرے بعد آنے والے جو سب سے پہلے بحری جہاد کریں گے ان بحری جہاد کرنے والوں کو میں اللہ کا پیغمبر جنت کی بشارت دے رہا ہوں۔ ماشاء اللہ، تو کیا پتہ چلتا ہے کہ اگر دین کو اس انداز سے بھی پھیلانا پڑے اور کفر کا راستہ بحری جہازوں کے ذریعے سے جا کر

روکنا پڑے تو جو اس کا راستہ روکے گا تو میں اللہ کا پیغمبر اس کو جنت کی بشارت دے رہا ہوں، خوشخبری دے رہا ہوں۔ سبحان اللہ

اس لئے کام کیجئے، محنت کیجئے، ہم نے مسلمان ماؤں کے دودھ پیئے ہیں، میرے دوستو! اللہ کی قسم ہم چھوٹے تھے ماں دودھ پلانے لگتی تھی تو بسم اللہ پڑھتی تھی، ماں پنگھوڑا ہلانے لگتی تھی تو لا الہ الا اللہ پڑھتی تھی، ماں ہمیں بستر پر سلانے لگتی تھی تو وہ اللہ اکبر، سبحان اللہ پڑھا کرتی تھی، کبھی حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل، کبھی حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰہ پڑھتی تھی۔

ارے! یہ ترانے ہم نے اپنے بچپن میں ماؤں سے سنے ہیں۔ اے کافرو! ان لوگوں کے بارے میں کہتے ہو کہ تم نہتے بن کے رہو اور ہم تمہاری حفاظت کریں گے، کیا ہم اپنی حفاظت کرنا نہیں جانتے۔ جی ہاں، الحمد للہ اللہ رب العزت جزائے خیر دے ان حضرات کو جنہوں نے محنت کی اور عالم اسلام کے لئے شان وشوکت کا ذریعہ بنے۔ آپ کے ہاتھ میں بھی اگر کوئی چیز ہوگی تو کفار ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں گے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایٹم بم چلانے ہی ہوتے ہیں۔ نہیں، اللہ نہ کرے کوئی ایسا وقت آئے کہ جب انسان ایسی خطرناک چیزوں کو استعمال کرے مگر جب کفر اپنے ہاتھوں میں ان چیزوں کو لے چکا تو اب مسلمانوں کو نہتے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں، ان کے ہاتھ میں بھی ان سے بڑھ کر ایسے اسباب ہونے چاہئیں۔

جدید دور کی ترقی:

آج دیکھیے سائنسدانوں نے گندم پر محنت کی۔ ایک دور تھا جب زمین میں دانہ ڈالتے تھے تو دس دانے ملتے تھے۔ پھر پندرہ دانے ملنے لگے، پھر تیس دانے ملے۔ مکسی پاک (MaxiPak) گندم آئی تو لوگوں نے کہا جی ایک کے بدلے بتیس دانے مل گئے۔ بڑا کمال کرلیا۔ بھئی، ایک کے بدلے بتیس دانے، کیا

کمال کیا؟ قرآن تو مثال دے رہا ہے کہ تم ایک دانہ ڈالو گے تو اس کے اوپر سات بالیں ہوں گی۔ ہر ایک میں خوشہ ہو گا، خوشے میں سو دانے ہوں گے۔ یوں ایک دانے کے بدلے رب کریم سات سو دانے بنا دیں گے۔

تو ہم تو ابھی 32 دانوں تک پہنچے ہیں اور قرآن بتا رہا ہے کہ ہم سات سو تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا ایگریکلچر میدان میں آگے بڑھئے اور ویسے بھی یہ ایگریکلچر ریسرچ انسٹیٹیوٹ (Agrecultcur Reserch Institute) ہے سبحان اللہ۔

تو ابھی تک تو آپ بمشکل پچاس دانوں تک پہنچے ہوں گے۔ سوچئے آپ کا سفر کتنا لمبا ہے۔ قرآن نے ٹارگٹ کتنا دیا ہے اور آپ نے کتنا دور پہنچنا ہے۔ لہٰذا اپنے فرض منصبی کا خیال کیجئے اور امانت و دیانت کے ساتھ زندگی گزاریئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کام اور کاروبار میں برکت دیں گے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی سرخروئی نصیب فرما دیں گے۔

ہمت مرداں مدد خدا:

ہاں وقتی طور پر کچھ مشکلات آتی ہیں، وہ قوموں کی زندگی میں پہلے بھی آتی رہی ہیں۔ قوموں کے لئے یہ باتیں آسان ہوا کرتی ہیں لیکن جب ہم اس راستے میں قدم اٹھائیں گے اور سب کے سب عہد کریں گے کہ آج کے بعد ہم اپنے فرض منصبی کو پورا کریں گے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پورا کریں گے۔ اسلام کی شان و شوکت کے لئے زندگی گزاریں گے تو رب کریم ہماری مدد فرمائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ فَبِعِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ . لَا اُخْذِیْکُمْ وَ لَا اُفْضِحُکُمْ بَیْنَ اَصْحٰبِ الْحُدُوْدِ ان میرے مومنوں کو کہہ دیجئے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھے اپنے جلال کی قسم! میں تمہیں کافروں اور فاسقوں کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں کروں گا اللہ رب العزت ہمیں دین و دنیا کی سرخروئی نصیب فرما دے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خوف خدا

اللہ رب العزت نے اپنے ایک پیارے بندے کی طرف الہام فرمایا کہ اے میرے پیارے! لوگوں سے کہہ دو کہ جب تم گناہ کرنے لگتے ہو تو تم ان تمام دروازوں کو تو بند کر لیتے ہو جن دروازوں سے مخلوق دیکھتی ہے اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے جہاں سے میں پروردگار دیکھتا ہوں۔ کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سے سب سے کم درجے کا تم مجھے سمجھتے ہو؟

خوف خدا

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ !
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی o وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَر. وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰن o سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

خوف اور امید کا مفہوم:

مومن کے دل میں دو مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔ کبھی اس پر امید غالب ہوتی ہے اور کبھی اس پر خوف غالب ہوتا ہے۔ امید کا یہ مطلب ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے گا اور ہمارا انجام بہتر ہوگا۔ خوف اسے کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی جلالت شان کی وجہ سے اس کی عظمت دل میں ایسی بیٹھ جائے کہ انسان گناہوں سے دور ہو جائے اور اس کے رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ الرِّجَا۔ یعنی ایمان امید اور خوف کے درمیان ہوتا ہے۔

امید اور خوف کب ہونا چاہئے؟

انسان کے دل میں امید کب ہونی چاہئے اور خوف کب ہونا چاہئے؟ اس

کے بارے میں مشائخ نے بڑی تفصیل لکھی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جوانی کی عمر میں انسان پر خوف غالب رہنا چاہئے تاکہ نفس کا زور ٹوٹے اور یہ شخص گناہوں سے بچ جائے اور بڑھاپے کے اندر امید غالب ہونی چاہئے تاکہ آدمی اللہ رب العزت کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائے۔ صحت کے زمانے میں خوف غالب ہونا چاہئے اور بیماری کے زمانہ میں انسان پر امید غالب ہونی چاہئے۔ خوشی کی حالت میں انسان پر خوف غالب ہونا چاہئے اور غم کی حالت میں اس کے دل میں امید غالب رہنی چاہئے۔

مومن اور فاسق کی کیفیت:

نوجوانوں کو چاہئے کہ اللہ رب العزت سے اس کا خوف مانگا کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کے حاصل ہونے پر انسان نیکی کا ہر کام کرتا ہے اور گناہ سے بچتا ہے۔ جس انسان کے دل میں خوف خدا نہیں رہتا اس کے لئے گناہوں سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ مومن بندہ گناہ کو یوں سمجھتا ہے جیسے کوئی پہاڑ سر کے اوپر ہے اور ابھی سر پر گر جائے گا اور فاسق گناہ کو یوں سمجھتا ہے جیسے کوئی مکھی بیٹھی ہوئی تھی جو اڑا دی گئی۔ ہمارے معاشرے میں گناہ کو بہت ہلکا سمجھا جاتا ہے۔ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا اور بدنظری کرنا بالکل عام ہو گیا ہے۔ حلال اور حرام کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ مسجد میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور باہر جا کر حرام کام بھی کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دل خوف خدا سے خالی ہے۔ زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت بڑے ہیں مگر اس کی بڑائی کا دل میں استحضار موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اے دوست! تو یہ نہ دیکھ کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا، بلکہ اس ذات کی عظمت کو دیکھ کہ جس کے حکموں کی تو نافرمانی کر رہا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ نافرمانی اور پروردگار عالم کی !!! اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی کبھی چھوٹی نہیں ہوتی۔ یہ تو اس کی رحمت ہے کہ وہ درگزر فرما دیتا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ:

بنی اسرائیل میں ایک بزرگ داموس رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنی بستی سے باہر نکلے۔ سامنے پہاڑ پر نظر پڑی تو سارے پہاڑ خشک نظر آئے۔ اس پر سبزہ نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کتنا اچھا ہوتا کہ ان پر سبزہ ہوتا، آبشاریں ہوتیں، مرغزاریں ہوتی اور خوب صورت منظر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ اے میرے پیارے! تو نے بندگی چھوڑ دی اور اب تو میرا مشیر بن گیا ہے، اب تجھے میری تخلیق میں کمی کوتاہی نظر آتی ہے۔

جب یہ الہام ہوا تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے اپنے دل میں ایک نیت کر لی کہ جب تک اللہ رب العزت کی طرف سے میرے دل میں واضح طور پر یہ بات نہیں آئے گی کہ میری کوتاہی کو معاف کر دیا گیا ہے، میں اس وقت تک اپنے آپ کو سزا دوں گا۔ یہ اللہ والوں کا طریقہ رہا ہے کہ اگر کبھی کوئی کوتاہی ہو جاتی تو وہ اپنے آپ کو سزا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ داموس رحمۃ اللہ علیہ نے سزا کے طور پر دل میں تہیہ کر لیا کہ جب تک میری غلطی معاف نہیں ہو جاتی نہ تو کھانا کھاؤں گا اور نہ ہی پانی پیوں گا۔ بس روزہ کی حالت میں رہوں گا۔ یہ بندے اور اللہ کا اپنا معاملہ ہوتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ بندے سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو وہ اپنے اوپر کوئی سزا مقرر کر سکتا ہے۔ مثلاً میں اتنا پیسہ صدقہ دیا کروں گا یا میں اتنے نفل پڑھا کروں گا، یا کوئی ایسا کام کہ جس سے انسان کے نفس پر بوجھ پڑے اور وہ گھبرائے۔ انہوں نے بھی یہی کیا کہ دل میں سزا کے طور پر فیصلہ کر لیا۔

داموس رحمۃ اللہ علیہ دو چار دن کے بعد ایک قریبی بستی میں گئے۔ وہاں کوئی تقریب منعقد ہو رہی تھی، بستی والوں نے کھانا وغیرہ پکایا ہوا تھا۔ جب دستر خوان لگا تو

لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ بھی کھانا کھائیں۔ انہوں نے معذرت چاہی مگر کچھ لوگ پیچھے ہی پڑ گئے کہ جی آپ ضرور کھائیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے کھانا نہیں کھانا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ آخر وجہ کیا ہے؟ انہوں نے وجہ بتا دی کہ مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگا، جناب! یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں، ہم سب بستی والے مل کر اس گناہ کا عذاب بھگت لیں گے، آپ کھانا کھا لیجئے۔ کہنے والے نے جیسے ہی یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً داموس رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ الہام فرمایا کہ میرے پیارے! آپ اس بستی سے فوراً نکل جائیں۔ چنانچہ جیسے ہی وہ نکلے اللہ رب العزت نے اس بستی والوں کو زمین کے اندر دھنسا دیا۔

گناہوں سے بچنے کی ایک صورت:

انسان کو دنیا کی پولیس گناہوں سے نہیں روک سکتی اور نہ ہی کوئی دوسرے انسان گناہوں سے روک سکتے ہیں۔ مگر خوف خدا وہ نعمت ہے کہ انسان تنہائی میں بھی گناہوں سے بچ رہا ہوتا ہے۔ آپ سوچیے کہ جس انسان کے لئے پھانسی پر چڑھنے کا حکم صادر ہو چکا ہو وہ کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر فحش کاموں کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ اس کے دل پر غم سوار ہوتا ہے کہ صبح مجھے سولی پر لٹکا دیا جائے گا جس کی وجہ سے اس کا فحش کاموں کی طرف میلان ہی نہیں ہوتا۔ جس طرح پھانسی کے خوف سے وہ گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتا بالکل اسی طرح اللہ والے اللہ رب العزت کے خوف کی وجہ سے گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

حزن اور خوف میں فرق:

مشائخ نے لکھا ہے کہ ایک حزن ہوتا ہے اور دوسرا خوف۔ حزن کہتے ہیں اندر کے غم کو اور خوف کہتے ہیں باہر کے ڈر کو۔ جب انسان کا دل محزون ہوتا ہے تو انسان کا کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ جس ماں کا بیٹا فوت ہو جائے

،کئی دن تک روٹی کھانے کو اس کا دل نہیں کرتا۔ جو بچہ امتحان میں فیل ہو جائے اس کا روٹی کھانے کو دل نہیں کرتا ، یا کاروباری آدمی جب کوئی ایسی بری خبر سنے جس سے دل مغموم ہو جائے تو کھانا کھانے کو دل نہیں کرتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب دل میں حزن ہوتا ہے تو انسان کا کھانا پینا ختم ہو جاتا ہے اور جب انسان کے دل پر اللہ کا خوف ہوتا ہے تو پھر اس کے جسم سے گناہوں کا صدور ختم ہو جاتا ہے۔

دودھ کے پیالے کی حفاظت:

ایک شخص ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ کہنے لگا، حضرت! میں بازار میں کام کرتا ہوں جس کی وجہ سے میں اپنی نگاہوں کو غیر محرم عورتوں سے نہیں بچا سکتا۔ کوشش بھی بہت کرتا ہوں کہ بدنظری نہ ہو، مگر پھر بھی گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہوں۔ سمجھ نہیں آتی کہ میں اس گناہ سے کیسے بچوں۔ انہوں نے فرمایا، اچھا، آپ کو سمجھا دیتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس نوجوان کو فرمایا کہ میں آپ کو دودھ کا ایک پیالہ دیتا ہوں، وہ پیالہ بازار سے گزر کر فلاں بزرگ کو پہنچانا مگر شرط یہ ہے کہ میں ایک بندہ آپ کے ساتھ بھیجوں گا، اگر اس پیالے میں سے دودھ کہیں گرا تو وہ وہیں پر تمہیں جوتے لگائے گا۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک پیالہ دودھ سے لبریز کر کے اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ پیالے کو لے کر چل بھی رہا تھا اور اس پیالے پر نظریں بھی جمائے ہوئے تھا کہ کہیں گر نہ جائے۔ اس کے ساتھ جو بندہ تھا وہ بھی ماشاءاللہ لحیم وشحیم تھا۔

اس نوجوان نے خدا خدا کر کے بازار سے گزر کر منزل مقصود پر دودھ پہنچایا اور خوشی خوشی واپس آ کر بتایا کہ حضرت! میں دودھ پہنچا آیا ہوں۔ حضرت نے پوچھا، بتاؤ بھئی! تم نے بازار میں کتنے چہرے دیکھے؟ وہ کہنے لگا، حضرت! ادھر تو دھیان ہی نہیں گیا۔ حضرت نے پوچھا، دھیان کیوں نہیں گیا؟ وہ کہنے لگا، حضرت!

مجھے ڈر تھا کہ اگر دودھ نیچے گر گیا تو یہ بندہ بھرے بازار میں مجھے رسوا کر دے گا۔

اس کا یہ جواب سن کر حضرت فرمانے لگے کہ اللہ والوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کے دل ایمان سے لبریز ہوتے ہیں، ان کو اس کی حفاظت کی ہر وقت فکر ہوتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معصیت کریں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کے سامنے کھڑا کر کے رسوا فرما دیں۔ اللہ والے ڈر رہے ہوتے ہیں کیونکہ اس دن کی رسوائی بہت بڑی اور بہت بری ہے۔

پاکیزہ ہستیاں:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امت میں ایسی پاکیزہ ہستیاں بھی گزری ہیں کہ چالیس چالیس سال تک گناہ لکھنے والے فرشتوں کو ان کا گناہ لکھنے کا موقع نصیب نہ ہوا۔ مکروہات شرعیہ ان کے لئے مکروہات طبعیہ بن گئی تھیں۔ شریعت کے خلاف کوئی کام کرنے کی سوچ ان کے دماغ میں نہیں آتی تھی۔ وہ اللہ رب العزت کی عظمتوں کو سمجھتے تھے، وہ اللہ رب العزت کی جلالت شان کو سمجھتے تھے اور اللہ رب العزت کا خوف ان کے دلوں پر حاوی تھا۔

خوف خدا کے لئے مسنون دعا:

حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ تعلیم دی کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کا خوف مانگیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ مَعْصِیَتِیْ (اے اللہ! میں آپ سے ایسی خشیت (خوف) مانگتا ہوں جو میرے اور میرے گناہوں کے درمیان آڑ بن جائے)۔

ایک چرواہے کے دل میں خوف خدا:

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنگل میں بیٹھے تھے۔ ایک چرواہا وہاں

آ پہنچا۔ آپ نے اس سے فرمایا، آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ وہ کہنے لگا، اَنَـا صَائِمٌ میں روزہ دار ہوں۔ آپ حیران ہوئے کہ جنگل اور ویرانے میں دھوپ پر سارا دن پھرنے والا اور بکریوں کو چرانے والا یہ نوجوان روزے سے ہے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ اسے آزماتے ہیں۔ آپ نے اسے فرمایا کہ ایک بکری ہمارے ہاتھ پر بیچ دو، ہم تمہیں پیسے دے دیتے ہیں، اس کو ذبح کریں گے اور گوشت بھونیں گے، ہم بھی کھالیں گے اور تم بھی شام کو کھا لینا۔ وہ کہنے لگا، جناب! یہ بکریاں میری نہیں ہیں، یہ تو میرے مالک کی ہیں۔ آپ نے فرمایا، تمہارا مالک یہاں تو نہیں ہے، کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا ہے۔ جیسے ہی آپ نے یہ کہا، وہ نوجوان فوراً آپ کو کہنے لگا کہ اگر میرا مالک اس وقت موجود نہیں تو فَاَیْنَ اللّٰہ اللہ کہاں ہے۔ یعنی اگر میرا مالک موجود نہیں ہے تو اس مالک کا مالک تو موجود ہے۔ صحابہ کرام ﷡ کے دل میں خوف خدا والی یہ نعمت ایسی جاگزیں تھی، تنہائیوں میں بھی ان کے دلوں میں ہر وقت یہ استحضار رہتا تھا کہ اللہ رب العزت ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے وہ گناہوں سے بچتے تھے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گلیوں کے اندر پہرہ دے رہے تھے۔ صبح صادق کا وقت قریب ہو گیا۔ ایک گھر سے عورتوں کے بولنے کی آواز آئی۔ آپ قریب ہو کر آواز سننے لگے۔ آپ ﷜ نے محسوس کیا کہ ایک بوڑھی عورت اپنی کم عمر لڑکی سے کہنے لگی کہ بیٹی! کیا بکری نے دودھ دے دیا ہے؟ اس نے کہا، جی دے دیا ہے۔ پوچھا، کتنا دیا ہے؟ جواب ملا، تھوڑا دیا ہے۔ اس بوڑھی عورت نے کہا، لینے والے آئیں گے تو وہ تو پورا مانگیں گے۔ لڑکی نے کہا کہ بکری نے تو تھوڑا دیا ہے۔ بوڑھی عورت کہنے لگی، اچھا، پھر اس

میں پانی ملا دو تا کہ مقدار پوری ہو جائے۔لڑکی نے کہا، میں کیوں پانی ملاؤں؟ بڑھیا نے کہا، کونسا عمر دیکھ رہا ہے۔اس لڑکی نے جواب دیا کہ اماں! اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ نہیں دیکھ رہے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئے اور واپس آ گئے۔صبح ہوتے ہی آپ نے ان دونوں کو بلایا تو پتہ چلا کہ وہ لڑکی جوان العمر تھی۔آپ نے اپنے بیٹے کے لئے اس کو پسند کرلیا اور اسے اپنی بہو بنا لیا۔یہی لڑکی بڑی ہوکر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نانی بنی۔

خوف خدا کے درجات

خوف خدا کے مختلف درجات ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔

1 عوام الناس کا خوف

آپ فرماتے ہیں کہ خوف خدا کی جو سب سے پہلی سطح ہوتی ہے اسے عوام الناس کا خوف کہتے ہیں۔عوام الناس کا خوف یہ ہوتا ہے کہ میں فلاں کرتوت کرتا ہوں، گناہ کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھے مار پڑے گی۔آپ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسے بچے کی مانند ہے جس نے کوئی نقصان کیا ہو یا امی کی کوئی بات نہ مانی ہو، اور اس کو پتہ ہو کہ جب ابو آئیں گے تو مار پڑے گی۔

2 صالحین کا خوف

ایک خوف اس سے ذرا اوپر کے درجے کا ہے جسے ''صالحین کا خوف'' کہتے

ہیں ۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی طرف سے تو نیکی کرتے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ ہم نے جتنی نیکی کرنی تھی اتنی کر نہیں سکے ، پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ نمازیں قبول کرتے ہیں یا نہیں ۔ گویا نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں مثلاً کسی نے کہا کہ آپ حج کر کے آئے ہیں، آپ کو مبارک ہو ۔ تو وہ کہتا ہے جی بس دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں ۔ نیکی بھی کرتے ہیں اور دل میں ایک خوف بھی ہوتا ہے کہ جس کے لئے نیکی کی ہے پتہ نہیں اس کو قبول ہو کہ نہ ہو ۔ جیسے ایک لڑکی کی شادی تھی تو اسے دوسری لڑکیاں دلہن کے طور پر سجا رہی تھیں ۔ جب انہوں نے سجا لیا تو ایک سہیلی نے کہا کہ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے، تعریفیں شروع کر دیں تو اس دلہن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ سب نے کہا کہ تو اتنی خوبصورت لگ رہی ہے پھر بھی رو رہی ہے، کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ تم سب سہیلیاں تو تعریفیں کر رہی ہو لیکن جس کے لئے تم مجھے سجا رہی ہو اگر میں اس کے پاس پہنچی اور اسے پسند نہ آئی تو میرا یہ حسن کس کام کا ہوگا ۔ اصل تو یہ ہے کہ میں اسے پسند آ جاؤں ۔ یہی صالحین کے خوف کی مثال ہے کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں، مگر دل میں ڈر ہوتا ہے کہ اے اللہ ! بس تو اسے قبول کر لے ۔

(3) عارفین کا خوف

ایک اس سے بھی اوپر کے درجے کا خوف ہوتا ہے ۔ اسے ''عارفین کا خوف'' کہتے ہیں ۔ انسان نیکی اور عبادت تو کرتا ہے مگر یہ سمجھتا ہے میری نیکی اللہ رب العزت کی عظمتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اور جب حرم شریف تشریف لے گئے تو وہاں مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگی مَـــا

عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ ۔ (کہ اے اللہ ! جیسے تیری عبادت کرنی چاہئے تھی ویسی کر نہیں سکے اور جیسے تیری معرفت حاصل کرنی چاہئے تھی وہ معرفت حاصل نہیں کر سکے)۔

4 کاملین کا خوف

ایک اس سے بھی بلند درجے کا خوف ہوتا ہے۔ اسے ''کاملین کا خوف'' کہتے ہیں۔ وہ کیا؟ کہ وہ حضرات سب اعمال کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ڈر رہے ہوتے ہیں، گھبرا رہے ہوتے ہیں کہ کہیں اللہ رب العزت کی بے نیازی والی نظر ہماری طرف نہ اٹھ جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہماری عبادتیں اس کی شان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ جب اس کی بے نیازی والی نگاہ اٹھتی ہے تو بلعم باعور کی چار سو سال کی عبادتوں کو ٹھوکر لگا دیتے ہیں۔ ہمارے پلّے تو چالیس سال کی عبات بھی نہیں ہے۔ وہ اس بات سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ کہیں اللہ رب العزت کی کوئی خفیہ تدبیر سامنے نہ آ جائے اور موت کے وقت ایمان کا دامن کہیں ہمارے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت میں ایک ایسا وقت آئے گا جب تم دیکھو گے کہ ایک آدمی صبح اٹھے گا تو ایمان والا ہوگا اور شام کو سونے کے لئے بستر پر جائے گا تو وہ ایمان سے خالی ہوگا۔ آج ہم ایسے زمانے میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا خوف:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے۔ کسی نے پوچھا، جی آپ اتنا کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ بس اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ انہوں

نے پوچھا، کیا کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے؟ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے گندم کا ایک دانہ جو سامنے پڑا ہوا تھا، وہ اٹھا کر دکھایا اور کہنے لگے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری زندگی کے گناہوں کا وزن گندم کے اس دانہ کے برابر بھی نہیں ہے میں تو اس لئے روتا ہوں کہ کہیں پروردگار آخری وقت میں توحید سے محروم نہ کر دے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں خوف خدا:

یہی وجہ ہے کہ محبوبہ محبوب خدا، مخدومۃ المسلمین، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوری رات یہ آیت پڑھ کر گزار دی۔ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان ہی نہیں ہوگا۔ اگرچہ یہ آیت کفار کے بارے میں ہے لیکن آپ رضی اللہ عنہا اس کو پڑھ کر رو رہی تھیں کہ کہیں میرے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خوف خدا:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کو پانی کی بجائے شربت دے دیا گیا۔ آپ شربت پینے لگے تو آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ کسی نے کہا، اے امیر المومنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا، مجھے قرآن پاک کی ایک آیت رلا رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ عمر ابن الخطاب کو کہہ دیا جائے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ کہ تم اپنی نعمتیں دنیا کے اندر لوٹ چکے ہو، تم نے خوب مزے اڑائے۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے جو یہ نعمتیں مل رہی ہیں یہ میری نیکیوں کا اجر کہیں دنیا ہی میں نہ مل رہا ہو۔ آپ اتنا روتے تھے کہ آنسوؤں کے چلنے کی وجہ سے رخسار پر لکیریں پڑ گئی تھیں۔ حالانکہ آپ مراد مصطفیٰ تھے، عشرہ مبشرہ میں سے تھے، مگر اس کے باوجود کثیر البکاء تھے۔ جب تک انسان اس دنیا سے چلا نہیں جاتا اس وقت تک شیطان کے ہتھکنڈوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خوفِ خدا:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ کا آخری وقت تھا۔ شاگردوں نے کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت آگے سے پڑھتے ہیں ''لا'' مزید کچھ نہیں پڑھتے بار بار یہی معاملہ ہوتا رہا۔ شاگرد بڑے حیران ہوئے کہ پورا کلمہ زبان پر کیوں نہیں جاری ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور آپ کچھ سنبھل گئے۔ طلباء نے پوچھا، حضرت! جس وقت سب کلمہ پڑھ رہے تھے اس وقت آپ پورا کلمہ نہیں پڑھ رہے تھے۔ فرمانے لگے، اس وقت میرے سامنے شیطان آیا اور کہنے لگا، احمد بن حنبل! تو ایمان بچا کے دنیا سے چلا گیا اور میں اسے کہہ رہا تھا ''لا'' نہیں، اے مردود! جب تک میری روح نکل نہیں جاتی اس وقت تک میں تجھ سے امن میں نہیں ہوں۔ وہ حضرات جنہوں نے دین کی خاطر زندگیاں لگا دیں اور جن کو قرآن مجید کے مخلوق ہونے نہ ہونے پر اتنے کوڑے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو لگائے جاتے تو وہ بلبلا اٹھتا، ایسی عظیم قربانیاں دینے والے آخری وقت میں اتنا ڈر رہے ہیں کہ پتہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ بنے گا؟ پھر بھلا غور کیجئے کہ ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور خوفِ خدا:

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے تین ادوار ایسے ہیں کہ ان لوگوں میں خشوع زیادہ غالب ہوتا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ چل کے آتے تو طبیعت پہ ایسا غم ہوتا تھا کہ جیسے وہ آدمی آ رہا ہے جس نے ابھی ابھی اپنے باپ کو قبرستان میں دفن کیا ہو۔ جب بیٹھتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ وہ مجرم ہے جس کے لئے پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ آنسوؤں کا پانی زمین پر بہہ پڑتا تھا۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اور خوف خدا:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ خوف خدا سے اتنا روتی تھیں کہ آنسوؤں کے قطرے زمین پر گرنے لگتے تو اتنے آنسو گرتے کہ بعض مرتبہ زمین پر گھاس اگ آتی تھی۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور خوف خدا:

ہمارے اکابرین جب ذرا سی کیفیت بدلتی دیکھتے تو فوراً رو پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے اور کہنے لگے نَافَقَ حَنْظَلَۃُ نَافَقَ حَنْظَلَۃُ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی صحبت میں جو کیفیت ہوتی ہے وہ گھر میں نہیں ہوتی۔ پس حنظلہ تو منافق ہو گیا۔

منافقت کا ڈر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا، بھائی حذیفہ! اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو منافقین کے نام بھی بتا دیئے اور منع بھی فرما دیا کہ آپ وہ نام کسی اور کو نہ بتائیں، اب میں آپ سے وہ نام تو نہیں پوچھنا چاہتا، صرف اتنا بتا دو کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ:

میرے دوستو! یہ واقعات معمولی نہیں ہیں کہ ہم پڑھ کر آگے گزر جائیں یا ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں بلکہ یہ ہمیں کچھ سبق دے رہے ہیں کہ ہمارے دل بھی اللہ رب العزت کا خوف ہونا چاہئے، اس کی جلالت شان ہمارے سامنے ہونی چاہئے تاکہ ہم گناہوں سے بچ سکیں۔ آج کل تو گناہوں کا

ارتکاب کرنا اتنا معمولی سا نظر آتا ہے جیسے کسی تنکے کو توڑ دینا۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر دو چار سال کا بچہ بھی پاس ہو تو کوئی نوجوان فحش حرکات نہیں کرے گا لیکن جب محسوس کرے گا کہ تنہا ہوں تو معلوم نہیں کہ کیا کیا حرکات کرنے لگ جائے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے ایک پیارے بندے کی طرف الہام فرمایا کہ اے میرے پیارے! لوگوں سے کہہ دو کہ جب تم گناہ کرنے لگتے ہو تو تم ان تمام دروازوں کو تو بند کر لیتے ہو جن دروازوں سے مخلوق دیکھتی ہے اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے جہاں سے میں پروردگار دیکھتا ہوں۔ کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سے سب سے کم درجے کا تم مجھے سمجھتے ہو۔

ایک الہامی بات:

ہم کھاتے بھی اللہ تعالیٰ کا ہیں اور شکوے بھی اسی کے کرتے ہیں اور اس کی عبادت بندگی اور شکر ادا کرنے میں سستی کر جاتے ہیں۔ عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک مرتبہ الہام فرمایا کہ اے میرے پیارے! جب تجھے کوئی ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو تم فوراً لوگوں میں بیٹھ کر میرے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہو، جب کہ تمہارا نامہ اعمال گناہوں سے بھرا ہوا میرے پاس آتا ہے مگر میں فرشتوں میں بیٹھ کر تمہارے شکوے تو نہیں کرتا۔

5 سب سے اونچے درجے کا خوف

سب سے اونچے درجے کا خوف یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے کوئی بھی گناہ نہ کرے، اس کے باوجود ڈرے کہ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آ جائے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ایک دودھ پیتے بچے کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ ﷺ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! اس کو قبر اور جہنم

کے عذاب سے محفوظ فرما دینا۔صحابہ کرام ؓ یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ ! یہ تو چھوٹا سا بچہ ہے۔آپ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا ہے ناں لَاَ مْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْن ط میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ جیسے آگ جلانے کے لئے لکڑی ڈالی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ بچوں کو اسی طرح پیدا کر کے جہنم کو بھر دے تو یہ بھی اس کا عین انصاف ہے، اس کو اختیار ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ پروردگار عالم نے یہ کیوں کیا۔ وہ خالق ہے اور خالق کو اس کا اختیار رہوتا ہے۔ایک آدمی لکڑیاں خرید کر لائے اور اگلے دن ان کو آگ میں ڈال دے تو اس کو کون پوچھنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، خالق ہے، وہ اتنے بچے کو بھی جہنم میں ڈال دے تو اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی معصوم بچی کا جنازہ پڑھنے کے لئے نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے۔ واپسی پر گھر میں سے کسی عورت نے کہا کہ یہ عصافیر جنت میں سے ایک عصفورہ تھی۔یعنی جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ قیامت کے دن اس کا انجام کیا ہوگا؟

آخر خوف کب تک......؟

جب تک مومن پلصراط سے پار نہیں ہو جاتا تب تک وہ خوف سے امن میں نہیں ہے۔ یہ مسئلہ باقاعدہ طور پر علما نے لکھا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا جو کوئی بھی تم میں سے ہے اس کو جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا یہ تیرے رب کے نزدیک حتمی اور فیصلہ شدہ بات ہے ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دے دیں گے۔ وَ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا اور جو ظالم گنہگار رہوں گے ان کو اوندھے منہ جہنم میں گرا دیں گے۔ ثابت یہ

ہوا کہ جب تک انسان پلصراط سے نہیں گزرے گا وہ خوف سے امن میں نہیں ہوگا۔ البتہ جس لمحے پلصراط سے گزر جائے گا پھر خوف ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لئے خوشی کا دور شروع ہو جائے گا۔

خوف خدا مانگنے کا طریقہ:

ہم اللہ سے جہاں دنیا کی اور بہت ساری نعمتیں مانگتے ہیں ہم اس سے خوف والی نعمت بھی مانگیں کیونکہ یہ وہ نعمت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کی گناہوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ اس لئے دعا مانگتے ہوئے کہے کہ اے اللہ! میں آپ سے ایسا خوف مانگتا ہوں جس کی وجہ سے میرے اندر سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔

مقام خوف:

انسانوں اور جنوں کے علاوہ ساری مخلوق کو مقام خوف حاصل ہے۔ اے انسان! تو اشرف المخلوقات ہے مگر تیرے دل میں خوف خدا نہیں۔ بہتر تو یہ تھا کہ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجے کا خوف خدا تیرے دل میں ہوتا۔

ملائکہ پر خوف خدا کا اثر:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ ﷺ نے ایسے فرشتوں کو دیکھا جو سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور ان کے قد اتنے تھے کہ ان کے کندھوں کے درمیان کئی میل کا فاصلہ تھا۔ ان کے کئی کئی پر تھے، مگر وہ سجدے میں پڑے ہوئے کانپ رہے تھے اور کانپنے کی وجہ سے ان کے جسموں سے ایک آواز نکل رہی تھی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا، اے جبرئیل! یہ کیا معاملہ ہے کہ یہ فرشتے سجدے کی حالت میں بھی ہیں اور ان کے جسموں سے آوازیں

بھی آ رہی ہیں؟ کہنے لگے، اے اللہ کے محبوب ﷺ ! یہ جب سے پیدا ہوئے اسی وقت سے سجدے کی حالت میں ہیں اور قیامت کے دن تک سجدے ہی میں رہیں گے مگر ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کے خوف کا ایسا اثر ہے کہ اس کی عظمت کی وجہ سے یہ تھرا رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے جسموں سے آواز نکل رہی ہے۔

جبرئیل امین اور خوف خدا:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مرتبہ جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا، اے جبرئیل ! کیا تجھے بھی میری رحمۃ اللعالمینی سے حصہ ملا ہے؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ ! جی ہاں، مجھے بھی آپ کی رحمۃ اللعالمینی سے حصہ ملا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا، وہ کیسے؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ ! جب آپ دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے اس وقت میں اپنے انجام کے بارے میں ڈرا کرتا تھا۔ میرے سامنے کئی نیک لوگوں کے انجام برے ہوئے۔ میں نے شیطان کا انجام بھی دیکھا تھا جس کی وجہ سے میں بھی ڈرتا تھا کہ پتہ نہیں میرا انجام کیا ہوگا۔ لیکن جب آپ ﷺ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ایک آیت اتار دی اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ o ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ o مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ o یہ آیت چونکہ میرے بارے میں ہے اور اس سے مجھے اپنے اچھے انجام کا پتہ چل گیا اس لئے میرے دل پر جو غم سوار رہتا تھا آپ کی رحمۃ اللعالمینی کے صدقے مجھے اب اس غم سے نجات نصیب ہوگئی ہے۔ سبحان اللہ

عرش پر اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا اثر:

معراج والی حدیث میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ عرش سے اوپر جانے لگے تو آپ ﷺ نے عرش کے اندر سے ایک آواز سنی۔ جیسے کسی چیز پر بہت زیادہ وزن ہو تو اس میں سے آواز آتی ہے۔ مثلاً کوئی بھاری آدمی کرسی پر بیٹھے تو اس میں سے

آواز نکلتی ہے اسی طرح عرش میں سے آواز نکل رہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا، جبرئیل! یہ آواز کیسی ہے؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! اس عرش پر اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا ایسا اثر ہے کہ اللہ کا عرش بھی اس کی ہیبت سے سہما جا رہا ہے۔

مخلوقات عالم کی تسبیح:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے سوا اللہ کی جتنی مخلوق ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح بیان کرتی ہے وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

مخلوقات عالم میں ارکان نماز کی تقسیم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کل قد علم صلاته و تسبیحه (ہر چیز کو اپنی نماز اور تسبیح کا پتہ ہے) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے درختوں کو قیام کی حالت میں پیدا کیا، وہ ساری زندگی قیام کی حالت میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو رکوع کی حالت میں پیدا فرمایا، وہ ساری زندگی رکوع کی حالت میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیڑوں کو سجدے کی حالت میں پیدا کیا، وہ ساری زندگی سجدے میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو التحیات کی شکل میں پیدا کیا، وہ ساری زندگی التحیات کی شکل میں رہتے ہیں۔

اے انسان! مخلوق کو فقط ایک ایک عمل ملا اور وہ ساری زندگی اسی عمل پر زندگی گزار رہی ہے، تجھے اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال کا مجموعہ عطا فرما دیا، تو قیام کرتا ہے تو تجھے درختوں کی عبادت کے ساتھ ایک مناسبت مل جاتی ہے، رکوع کرتا ہے تو چوپایوں کی عبادت کا اجر بھی تجھے مل جاتا ہے، سجدہ کرتا ہے تو تجھے کیڑوں کی عبادت کا بھی اجر عطا کر دیا جاتا ہے اور قعدہ میں بیٹھ کر عبادت کرتا ہے تو تجھے

پہاڑوں کی عبادت کا بھی اجر مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتنا بڑا اکرم کر دیا کہ اس نے تجھے ایک کامل عبادت عطا کر دی۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ جب تو نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو نماز کی حالت میں بھی تو دنیا کے خیالات میں گم ہوتا ہے۔

درخت کا رکوع اور سجدہ:

حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی بھی کسی سایہ دار اور پھل دار درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کرے۔ صحابہ کرام ﷺ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اس میں کیا حکمت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، درخت کا سایہ جب گھٹتا اور بڑھتا ہے تو یہ درخت اللہ تعالیٰ کے سامنے رکوع اور سجدہ کر رہا ہوتا ہے۔

اونٹ کے دل میں خوف خدا:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں آپ کی خدمت میں ایک بات عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ پوچھا، کیا بات ہے؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا ایک اونٹ ہے، میں سارا دن محنت مزدوری کرتا ہوں، اس اونٹ پر سامان لادتا ہوں اور میں اس کے دانے پانی کا پورا پورا خیال رکھتا ہوں لیکن جب میں رات کو آکر سوتا ہوں تو کبھی کبھی وہ ایسی درد ناک آوازیں نکالتا ہے کہ میری آنکھ نہیں لگتی۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ دعا فرما دیجئے کہ اونٹ مجھے رات کو سونے دیا کرے۔

نبی اکرم ﷺ نے جب یہ بات سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے مدعی کی بات سن لی ہے، اب ہم مدعا علیہ کو بھی بلائیں گے۔ چنانچہ اس اونٹ کو بلانے کا حکم دیا گیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب اونٹ کو پیغام دیا گیا تو اونٹ بڑے ادب واحترام کے ساتھ چلتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ وہ نبی اکرم ﷺ

کے سامنے آ کر التحیات کی شکل میں بیٹھ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اونٹ سے ارشاد فرمایا کہ تیرا مالک تیری شکایت بیان کر رہا ہے کہ وہ تیرے دانے پانی کا خیال رکھتا ہے لیکن تو اس کا خیال نہیں رکھتا اور رات کو ایسی آوازیں نکالتا ہے کہ جس سے تیرے مالک کی نیند خراب ہوتی ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟

یہ سن کر اونٹ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! معاملہ یہ ہے کہ ہم دونوں سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں، یہ میرا خیال رکھتے ہیں اور میں ان کا خیال رکھتا ہوں، یہ بوجھ لادتے ہیں اور میں لے کے پہنچاتا ہوں، یہ مجھے دانہ پانی بھی دیتے ہیں، ہم دونوں ایک دوسرے کے اچھے ساتھی ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب اچھے ساتھی ہو تو پھر اس کو سونے کیوں نہیں دیتے؟ وہ کہنے لگا، اے اللہ کے نبی ﷺ! معاملہ یہ ہے کہ کئی مرتبہ یہ تھکے ہوئے گھر آتے ہیں، مغرب کے بعد کھانا کھاتے ہیں، اس وقت کبھی کبھی ان پر نیند غالب آ جاتی ہے تو دل میں سوچتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر کے لئے کمر سیدھی کر لوں، پھر میں اٹھ کر عشاء کی نماز پڑھ لوں گا۔ لیکن جب کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹتے ہیں تو نیند گہری ہو جاتی ہے، انہوں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی ہوتی، رات کو کافی دیر ہو جاتی ہے، چونکہ میں قریب ہوتا ہوں اس لئے مجھے نیند نہیں آتی کہ اگر ان کی نماز قضا ہو گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں کہ تو نے اپنے ساتھی کو کیوں نہیں جگایا تھا تاکہ وہ میرے حکم کی پابندی کر لیتا۔ اے محبوب ﷺ! میرے اوپر بھی تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہوتا ہے مگر میں اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کی وجہ سے ڈرتا ہوں اور دردناک آوازیں نکالتا ہوں کہ میرے مالک! اٹھ جا اور اپنے مالک کی بندگی کر لے۔

اے انسان! ایک جانور کے دل میں تو خوف خدا کا یہ حال ہے کہ اللہ کا حکم

ٹوٹ رہا ہے اور اس کو نیند نہیں آرہی اور تو اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو توڑتا پھرتا ہے۔ تیرے گھر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو ذبح کیا جاتا ہے مگر تجھے احساس نہیں ہوتا، تیری اولاد تیری آنکھوں کے سامنے اللہ کے حکم کو توڑتی ہے لیکن تو اپنے سینے میں مغموم نہیں ہوتا۔ آخر کوئی تو وقت آئے گا جب ہمیں اپنے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔

عبداللہ بن مبارک اور خوف خدا:

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی حدیث پڑھائی۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں چالیس چالیس ہزار شاگردان سے حدیث پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ فوت ہونے لگے تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ مجھے چارپائی سے اٹھا کر زمین پر لٹا دو۔ نیچے نہ کوئی قالین تھا، نہ کوئی فرش تھا اور نہ ہی کوئی سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ تاہم شاگردوں نے تعمیل حکم میں ان کو زمین پر لٹا دیا۔ یہ دیکھ کر طلبا کی چیخیں نکل گئیں کہ اتنے بڑے محدث اپنی داڑھی کو پکڑ کر اپنے رخسار کو زمین پر رگڑنے لگ گئے اور روتے ہوئے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرمانا...... اللہ اکبر...... جس نے ساری زندگی حدیث پڑھائی اس نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! میں نے حدیث کے درس دیئے، میں نے لوگوں کو دین کی طرف بلایا، میں نے لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کیا، کوئی عمل اس قابل نہیں سمجھا جو اللہ کے حضور پیش کرسکیں، بالآخر عاجزی کر رہے ہیں کہ اے اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما۔ وہ اپنے سفید بالوں کو پیش کرتے تھے کہ اے اللہ! کوئی عمل ایسا نہیں جو آپ کے سامنے پیش کرسکیں، آپ ہی مجھ پر رحم فرمائیے۔ ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے کہ ہم بھی اپنے گناہوں کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے نادم ہوں اور اس کا خوف طلب کریں تاکہ گناہوں سے بچ

سکیں۔ اس طرح مانگیں کہ جیسے ہمیں جو کچھ بھی ملنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے در سے ہی ملنا ہے، اس در سے ہٹ کر ہم جائیں گے تو ہمیں کچھ بھی نہیں مل سکتا۔

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کا طریقہ:

ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس طرح ایک بچے کو کسی چیز کی ضرورت ہوتو وہ اپنی ماں سے مانگتا ہے، ماں جھڑک دیتی ہے تو بچہ پھر مانگتا ہے، ماں پھر جھڑک دیتی ہے حتیٰ کہ تھپڑ بھی لگا دیتی ہے مگر بچہ روتے ہوئے پھر اپنی امی سے لپٹ جاتا ہے اور اسی کا دامن پکڑ کر کہہ رہا ہوتا ہے کہ امی! اب تو دے دے۔ بچے کو یقین ہوتا ہے کہ امی کو ہی منانا ہے اور اسی سے ہی میری ضرورت پوری ہونی ہے۔ ہم سے تو وہ چھوٹا بچہ اچھا ہے جو اس معرفت کو سمجھ لیتا ہے اور رو رو کر اپنی ماں کو منا لیتا ہے، مگر افسوس کہ ہم رو کر پروردگار کو نہیں منا سکتے۔ ہم معافی تو مانگتے ہیں مگر معافی ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت دل میں ندامت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں بلکہ اصرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، عاجزی اور انکساری کے ساتھ معافی مانگیں کہ اے پروردگار! آپ کے میرے جیسے اربوں کھربوں بندے ہیں مگر میرا تو تیرے جیسا کوئی معبود نہیں۔ رب کریم! تو مہربانی فرما کر میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔

ایک عجیب واقعہ:

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک گلی میں جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا۔ ایک ماں اپنے بچے کو مار رہی تھی۔ اس بچے کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ جب دروازہ کھلا تو ماں نے بچے کو دھکا دے کر باہر پھینکا اور کہا کہ تو نافرمان بن گیا ہے، تو میری کوئی بات بھی نہیں مانتا، میں تجھے اس گھر میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہ کہہ کر ماں نے دروازہ بند کر دیا

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بچہ کچھ دیر تک تو روتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ گلی کے موڑ تک پہنچا تو وہاں تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ قدموں سے واپس آنے لگا اور اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بیٹھ گیا۔ وہ تھکا ہوا تھا۔ نیند غالب آئی۔ اس نے دروازے کی دہلیز پر سر رکھا اور سو گیا۔

کافی دیر کے بعد کسی کام کے لئے اس کی والدہ نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ بیٹا دروازے کی دہلیز پر سر رکھے ہوئے سو رہا ہے۔ ماں کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ماں نے اسے بالوں سے پکڑ کر پھر غصہ سے اٹھایا اور کہا کہ تو دفع کیوں نہیں ہو جاتا، یہاں کیوں پڑا ہوا ہے۔ بچے کی آنکھوں سے پھر آنسو آ گئے۔ وہ کہنے لگا امی! جب آپ نے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا تو میرے دل میں خیال آیا تھا کہ میں کہیں چلا جاتا ہوں، میں بازار میں کھڑا ہو کر بھیک مانگ لوں گا یا پھر کسی کے جوتے صاف کر لوں گا۔ یہ سوچ کر میں گلی کے موڑ تک تو چلا گیا لیکن امی! وہاں جا کر میرے دل میں خیال آیا کہ اے بندے! تجھے دنیا میں کھانا پینا تو مل جائے گا مگر تجھے ماں کی محبت تو کہیں سے نہیں مل سکے گی، ماں کی محبت اگر تجھے ملے گی تو وہ صرف اسی گھر سے ملے گی۔ امی! یہ سوچ کر میں واپس آ گیا، اب میں اسی در پہ پڑا ہوں، امی! اب اگر تو دھکے بھی دے تو میں کہیں نہیں جا سکتا کیونکہ امی! تیرے جیسی محبت مجھے کوئی نہیں دے سکتا۔

جب ماں نے یہ بات سنی تو اس کا دل موم ہو گیا، اس نے کہا، بیٹے! جب تیرے دل میں یہ احساس ہے کہ تجھے مجھ جیسی محبت کوئی نہیں دے سکتا تو اب تمہارے لئے اس گھر کے دروازے کھلے ہیں، آ اور اس گھر میں اپنی زندگی گزار لے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کو بھی چاہئے کہ اسی طرح

اللہ رب العزت سے معافی مانگے اور کہے کہ پروردگار! یہی تو در ہے جہاں سے معافی ملتی ہے، اے اللہ! دوسرا کوئی در ایسا نہیں ہے، میں تیرے در کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ جب انسان اس طرح معافی مانگے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی معافی کو قبول فرما کر اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

ایک دردبھری دعا:

کسی نے کیا ہی پیاری بات کہی کہ

اِلٰھِی عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَ
مُقِرٌّ بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاکَ
فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَ اَھْلٌ
وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاکَ

(اے اللہ! آپ کا گنہگار بندہ آپ کے در پر حاضر ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور آپ سے دعائیں مانگتا ہے، اگر تو مغفرت کر دے تو تجھے یہ بات بڑی سجتی ہے، اگر تو ہی دھکے دے دے تو پھر کون ہے کوئی دوسرے در والا کہ میں وہاں چلا جاؤں)۔

میرے دوستو! آج کی اس محفل میں ہم اپنی زندگی کے پچھلے تمام گناہوں سے معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کا ایسا خوف مانگیں جو ہمیں گناہوں سے بچالے تاکہ ہم بھی اپنی زندگی کے کچھ دن گناہوں سے پاکیزہ گزار کر اپنے پروردگار کے حضور پہنچ جائیں۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن.